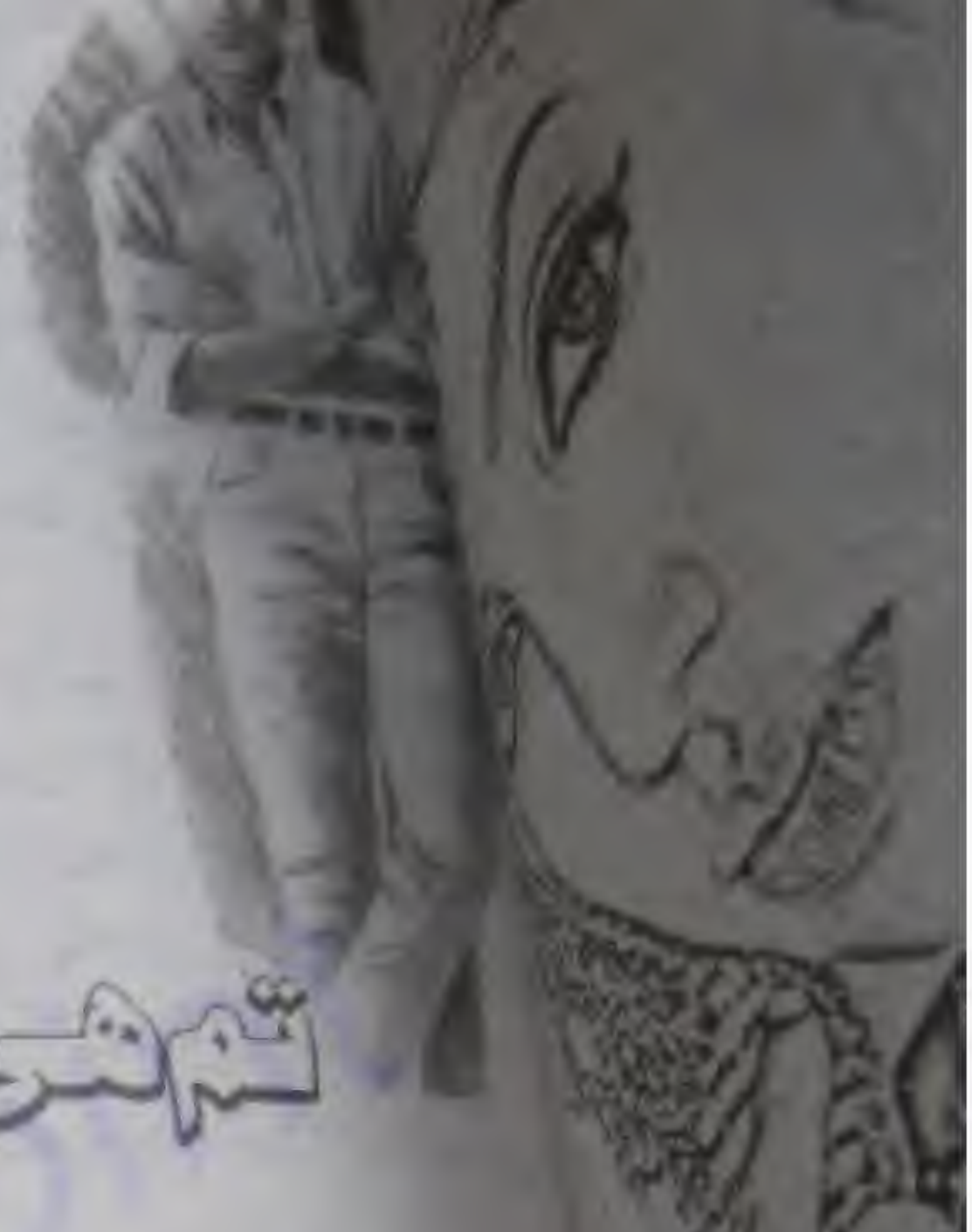




بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله

8008



اسماء قادری

شہر شہری شہر

صبح صفائی وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں دیکھنا پڑا۔ ”ابھی بس چوبیسے پر پائے کا دیکھتے چہا کر سیدھی آپ کے پاس دوڑی آئی ہوں“

”بھلا یہ کوئی موسم ہے یا بے کھانے کا“ اتنی شہرہ گری میں ایسی ڈش پکانے اور کھانے کی حماقت محرمہ سمیہ اور ان کے اہل خانہ ہی کر سکتے ہیں۔ ”بستر پر لیٹے لیٹے ہی افنان نے سمیہ کے جواب پر چل کر سوچا۔

”گھر میں بڑی خاموشی ہو رہی ہے خال! کیا سعدیہ بھا بھی اور بچے گھر پر نہیں ہیں؟“ اپنی مصروفیت کی گہائی سنانے کے بعد اس کا دھیان گھر میں چھانے سنانے کی طرف چلا گیا۔

”میکے گئی ہے، کل مغرب کے بعد اس کا بھائی آکر لے گیا تھا۔ سعدیہ سے چھوٹی نادیا کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آنے والے ہیں آج۔ ماں تو بیچاروں کی ہے نہیں۔ بھاوج خود نادیا کی ہم عمر لڑکی ہے۔ ایسی ایسے معاملات نمٹانے سے گھبراہٹ ہے اس لیے اس نے سعدیہ کو بلا بھیجا تھا“ اماں نے مفصلی جواب دیا۔

”اچھا تو یہ معاملہ ہے، میں بھی کہوں کہ کل شام تک تو

السلام علیکم حالہ! سلام کی زوردار آواز نے اعلان کیا کہ سمیہ صاحبہ کی سواری باد بہاری تشریف لا چکی ہے۔ افنان جو بستر چھوڑنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی آواز سن کر ایک بار پھر تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گیا۔

”علیکم السلام! جیتی رہو، بڑی دیر لگا کر آئیں آج،“ میں تو کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں“ باہر اماں بھرپور جوش و خروش کے ساتھ بھانجی کا استقبال کر رہی تھیں۔

اماں کے جوش و خروش نے افنان کو کچھ اور بیزار کیا۔ وہ سمجھ نہیں پاتا تھا کہ صرف چار گھر چھوڑ کر رہنے والی بھانجی صاحبہ، جو دین میں کم و بیش دو چکر تو ضرور ہی ان کے گھر کے لگاتی تھی۔

اس کی آمد پر اماں ہر بار اس قدر نہال کیوں اور کیسے ہوتی ہیں؟

”مجھے معلوم تھا کہ آپ میرا انتظار کر رہی ہوں گی لیکن رات ابو پائے لے آئے تھے۔

سعد یہ بھابھی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ میکے جانے والی ہیں۔ پھر یہ اچانک ہی کیسے چلی گئیں؟ اماں کے جواب نے یقیناً اس کی تشفی کروادی تھی کہ خالہ کے گھر میں ہونے والا کوئی کام اس کی لاعلمی میں آخر کیونکر انجام پایا۔ ”اب ایسے معاملات تو سمجھو، اچانک ہی سامنے آ جاتے ہیں اور آدمی کو دوسری ہر چیز کو نظر انداز کر کے انہیں اہمیت بھی دینی پڑتی ہے۔ رات سعدیہ کے جانے کے بعد افنان چھٹی پر گھر آیا ہے۔

عرفان نے صبح کہا بھی کہ میں سعدیہ کو واپس لے آتا ہوں لیکن میں نے منع کر دیا۔ سعدیہ بڑی بہن ہے، چھوٹی بہنوں کے معاملات کو وہ نہیں دیکھے گی تو اور کون دیکھے گا!

میں نے کہہ دیا عرفان سے کہ افنان کی ہفتے بھر کی چھٹی ہے، دو دن بعد بھی بھانج سے مل سکتا ہے۔ ہاں! بچوں کو البتہ شام میں واپس لے آنا۔

”بچوں کا چاچو سے اور چاچو کا بچوں سے دل لگا رہتا ہے“ اماں کے جواب نے افنان کو چوکنا کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی آمد کی اطلاع ملنے کے بعد سمیعہ بی بی جو قسمت سے اس کی منکوحہ بھی تھیں، کسی نہ کسی بہانے کمرے میں وارد ہو جائیں گی۔ لہذا اب وہ مزید بستر کو اپنی جائے پناہ نہیں بنا سکتا تھا۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ باہر وہ اماں سے کہہ رہی تھی۔ آپ نے بہت اچھا کیا خالہ! دو دن کا کیا مسئلہ ہے۔ دو دن تو میں بھی یہاں کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں۔ بلکہ ایسا ہے کہ آپ یہ سبزی وغیرہ بنائیں۔ ”اتنے میں اندر کمروں کی صفائی کرنی ہوں پھر کھانا پکانے میں آپ کا ہاتھ بٹا دوں گی۔“

افنان کے اندازوں کے عین مطابق وہ نہ صرف اندر آنے کا بہانہ گھڑ چکی تھی بلکہ ساتھ ہی اماں کے پاس پہلے سے ہی اپنے بڑھے ہوئے نمبروں میں کچھ اور نمبروں کا اضافہ بھی کر چکی تھی۔

”جیتتی رہو میری بچی“ اماں خوش ہو کر اسے دعائیں دینے لگیں۔

افنان جو رات گرمی کی وجہ سے بنیان میں سو رہا تھا جھٹ کھوٹی پر ٹنگے اپنے کمرے کی طرف دوڑا، پھر قیصر سے کرتا چڑھانے کے بعد وہ پیر سلپرز میں ڈال ہی رہا تھا کہ سمیعہ کمرے کے دروازے پر جھاڑو سمیت نمودار ہو گئی۔ افنان نے بے ساختہ ہی ایک گہرا سانس لیا۔ وہ جو کم از کم ایک گھنٹہ غسل خانے میں گزارنے کے ارادے سے کمرے سے باہر نکلنے ہی لگا تھا عین وقت پر دھڑلایا گیا تھا۔

”میں نے کہا سلام“ سبز رنگ کے شلوار قمیص پر، اورنج اور سبز دھاری دار دوپٹہ لا پرواہی سے شانوں پر ڈالے، اماں کی فرمانبرداری اور لاڈلی بھانجی ہونٹوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے اس انداز پر وہ فقط اونہہ کر کے رہ گیا۔

”سلام کا جواب دینا واجب ہے، اتنے دین وار ہو کر یہ بھی نہیں معلوم“

وہ کب چوکنے والی تھی فوراً ہی اسے ٹوک دیا۔

”وعلیکم السلام“ اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب دیا۔

”اوہو، یہ تو بالکل وہی معاملہ ہے کہ

ہم احتراماً سلام کرتے ہیں

وہ انتقاماً جواب دیتے ہیں

اس نے افنان کے غصے سے گویا حنا اٹھایا۔

”تم اپنے اس بیہودہ شعری ذوق کا مظاہرہ میرے سامنے کرنے سے تو کم از کم گریز ہی کیا کرو“ وہ کچھ اور بھی جل بھن کر بولا

”لگتا ہے ملتان کی ساری گرمی اپنے اندر بھر کر یہاں

لائے ہیں جب ہی زبان سے انگارے جھڑ رہے ہیں“

وہ کب اس کے غصے کو خاطر میں لانے والی تھی۔ ”اور

اس سے پہلے کہ یہ انگارے تمہیں جلا کر بھسم کر دیں،

میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔“

”وہ تن فرم کرتا ہوا بولا، مجبوری یہ تھی کہ سمیعہ بی بی عین

دروازے میں کھڑی تھیں اور وہ اس کے راستہ دیے بغیر

اپنے کمرے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ چاہتا تو زبردستی

دھکا دے کر بھی ہٹا سکتا تھا لیکن سمیعہ سے کوئی بعید نہیں
تھی کہ وہ اس بات پر بھونپو کی طرح شور مچانا شروع کر
دے اور افغان اپنے اچھے خاصے صاف ستھرے اٹیچ پر
کوئی آج آتا برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے فقط
زبانی کڑی دھمکیوں سے ہی کام چلانے کی کوشش کر رہا
تھا۔ حیرت تو اسے اس وقت ہوئی جب اس زبانی دھمکی
نے کام کر دکھایا اور سمیعہ شرافت سے راستہ چھوڑ کر ایک
طرف ہو گئی۔

”کتنا ہی راستے سے ہٹائیں ایک دن آپ کو ہمارے
ساتھ ساتھ ہی چلنا ہے“

وہ اس کے برابر سے گزر کر باہر نکل رہا تھا کہ سمیعہ کی
آواز اس کے کانوں سے ٹکرانی۔ بات سچ تھی اس لیے
وہ بے بسی سے دانت کچکچاتا آگے بڑھ گیا۔ البتہ غسل
خانے کا دروازہ زوردار آواز سے بند کر کے اپنے غصے کا
اظہار کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆☆☆

”سنا ہے افغان بھائی چھٹیوں پر آئے ہوئے ہیں“
اپنے سامنے کتابیں پھیلائے وہ نوٹس بنانے کی
جدوجہد میں مصروف تھی۔ لیکن ذہن پوری طرح مرتکز
نہ ہونے کے وجہ سے چند لائنوں سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکی
تھی۔ ایسے میں پڑوس میں رہنے والی راحیلہ چلی آئی۔
”ٹھیک ہی سنا ہے“ سمیعہ نے کتابیں سمیٹ کر بیڈ پر
راحیلہ کے لیے جگہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ تو اچھی خبر ہے، پھر تم کیوں اتنی اداس لگ رہی ہو؟“
”اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ راحیلہ پوچھے بنا نہیں
رہ سکی۔ یوں بھی بچپن کی دوستی کے باعث وہ دونوں
چہرے کے تاثرات اور لہجے کے اتار چڑھاؤ سے ایک
دوسرے کی کیفیات کا اندازہ لگا لیا کرتی تھیں۔

”خبر تو اچھی ہے، وہ کبھی مجھے خوش بھی تو ہونے دیا
کریں“ راحیلہ کے سامنے وہ یونہی ہمیشہ اپنے دل کا
حال بیان کر دیا کرتی تھی۔

”خیریت، کیا کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟“ راحیلہ نے
تشویش سے پوچھا۔

”لو الی جھگڑا تو وہاں ہوتا ہے جہاں دوستی اور محبت ہو۔
افغان تو مجھ سے ایسے بیزار ہے جیسے مجھ سے زیادہ
ناپسندیدہ کوئی شے نہ ہو ان کے نزدیک
اس نے بہت دھمکی لہجے میں اپنا مسئلہ بیان کیا۔

سمیعہ اور افغان کا ٹکڑا ہوا تھا وہ سمیعہ کی طرف سے
مستقل اس شکایت کو سننے اور پھر اسے تسلیاں دینے کی
عادی ہو گئی تھی۔ شکایت وہ سن چکی تھی۔ اب سلی دینے کا
مرحلہ تھا۔ جس کیلئے راحیلہ خم ٹھونک کر میدان میں اتر
آئی۔

”تم بالکل بے وقوف ہو سمیعہ! بچپن سے افغان بھائی کو
دیکھتی آرہی ہو۔ وہ تو شروع ہی سے بہت سنجیدہ اور
بردار ہیں اور جب سے آرہی جو ان کی ہے کچھ اور بھی
سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ آرہی کی ٹھ لائف، بندے کو اچھا
خاصا روکھا بنا دیتی ہے۔ اس وجہ سے یہ سوچنا کہ وہ تم
سے بیزار ہیں، تمہیں ناپسند کرتے ہیں، تمہاری بیوقوفی
کے سوا کچھ نہیں، تمہاری خالہ نے ان سے پوچھ کر ہی
تمہارا ان سے نکاح کر دیا ہو گا۔ اگر انہیں تم پسند
ہوئیں تو وہ اسی وقت انکار کر دیتے۔“

”تم ہر بار مجھے ایسی ہی تسلیاں دیتی ہو لیکن میں کوئی
بیوقوف تو نہیں ہوں کہ سنجیدگی اور بیزارگی کے درمیان
فرق محسوس نہ کر سکوں۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے ماتھے پر
بل پڑ جاتے ہیں۔ بات کروں تو ایسے جواب دیتے
ہیں جیسے ابھی کچا چیا جا میں گے۔“ آج راحیلہ کی
تسلیاں بھی اسے مطمئن نہیں کر پا رہی تھیں۔

”بھئی کچھ مرد ایسے بھی ہوتے ہیں انہیں اپنے ناز و غرے
دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔ اب اگر تم ان سے محبت کرتی
ہو تو یہ سارے نخرے بھی برداشت کرنے ہو گئے۔“ اگر
محبت میں کمی ہے تو الگ بات ہے“ راحیلہ نے اسے
جیسے چھیڑا۔

”بکو اس مت کرو، تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میری
زندگی میں ان کی کیا اہمیت ہے“ اس نے ٹھٹھکی سے
راحیلہ کو گھورا۔

”تو بس میری جان اہمیت سے کام لو، وہ جو برا بھلا کہیں، پس کر برداشت کرو، اور اپنی طرف سے توجہ میں کی نہ آنے دو، وہ جتنی چاہے ہزار کی دکھائیں تم ان سے اپنی چاہت کا اظہار کرتی رہو، دیکھنا ایک نہ ایک دن وہ نرم پڑتی جائیں گے۔ بلکہ سچ کہوں مجھے تو اب بھی پورا یقین ہے کہ اندر ہی اندر وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور اوپر سے یوں ہی اڑتے رہتے ہیں۔“ راحیلہ اپنے حساب سے بہت غلط فہمی کی باتیں کر رہی تھی۔ سمیعہ کا الیہ بھی تھا کہ وہ سب کچھ اپنی دوستوں کی گفتگو سے ہی اخذ کیا کرتی تھی۔ گھر میں کوئی بڑی بہن یا بھائی تو تھیں نہیں جو عقل کی چار باتیں سمجھائیں۔ ماں سے اس کی اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ ان سے اپنی کیفیات شیئر کرتی۔ لے دے کر اس کی ہم عمر دوستیں ہی تھیں جو اس کی طرح نا تجربہ کار اور نا سمجھ تھیں۔ ان ہی دوستوں کی ”قیمتی آراء“ کی روشنی میں سمیعہ اپنے اور افغان کے تعلق کو دیکھا کرتی تھی۔

راحیلہ تو پھر نسبتاً سمجھدار بھی لیکن اس کی باقی ماندہ سہیلیاں تو بے حد نا سمجھ اور لا ابا لی تھیں جنہوں نے فلموں اور ڈراموں سے منگیترا اور ناس کا ایک خاص تصور تراش رکھا تھا جس کی روشنی میں وہ سمیعہ سے طرح طرح کے سوالات پوچھتی رہتی تھیں۔

افغان بھائی نے عید پر کیا گفٹ دیا؟ برتھ ڈے پر کیسے وش کیا؟ تمہیں فون کرتے ہیں کہ نہیں؟ کبھی باہر ڈنر پر لے جانے کی آفر کی وغیرہ وغیرہ،

سمیعہ کے پاس ان سارے سوالوں کے جواب سناتے کیلئے کوئی ایک بھی چٹ پٹا، کھٹا میٹھا، واقعہ نہ ہوتا تھا۔ سو وہ خوب کڑھتی، اس جلنے کڑھنے میں ہی نجانے کب اس نے افغان کو چھیڑ چھیڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اسے خود بھی پتہ نہیں چلا لیکن اب صورتحال یہ تھی کہ جب اس کی حرکتوں پر افغان چیخ و نطاب کھاتا تو بھی تو وہ اس کی کیفیت سے خط اٹھاتی اور کبھی افسردہ ہو جاتی کہ اس کی اس قدر توجہ کے باوجود افغان اس کی طرف راغب کیوں نہیں ہوتا۔

میلرک کے بعد اس کا افغان سے نکاح ہوا تھا اور اب اڑھائی سال بعد جبکہ وہ تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی، معاملات ہنوز اسی طرح چلے آ رہے تھے۔ نہ افغان اپنا سچ مزاجی سے یاز آتا تھا نہ سمیعہ کی چاہے جانے کی خواہش ماند پڑتی تھی۔ بلکہ یہ خواہش تو ہرگز رستے دن کے ساتھ شدید ترین ہونی جا رہی تھی۔

☆☆☆

”کیا کر رہی ہیں خالہ؟“ وہ صحن میں ایک طرف ایک سرسبز میں مصروف تھا۔ قریب ہی اماں تخت رہتی تھیں اپنے سامنے پڑے شاہنگ بیگز میں جھانک رہی تھیں کہ سمیعہ چلی آئی۔

”کرنا کیا ہے بیٹا!“ عرفان صبح آفس جاتے وقت یہ سبزیاں اور مرغی تھا گیا ہے۔ انہیں ہی دیکھ رہی تھی کہ کیا پکاؤں؟ خیال تھا کہ مرغی کا تورمہ بناتی ہوں لیکن تورمہ بچے شوق سے نہیں کھاتے۔

بیچارے سکول سے تھکے ماندے آئیں گے اور آگے سے کھانا پسند کا نہیں ملے گا تو دل برا ہوگا ان کا۔ سمیعہ گھر پر ہوتی تو کوئی فکر کی بات نہیں تھی وہ جھٹ بٹ بچوں کی پسند کی چیزیں بنا دیتی ہے۔ اب میں تو اس عمر میں نت نئے کھانے پکانے سے رہی وہ روایتی کھانے بنانے آتے ہیں جو آج کل کے بچوں کو پسند نہیں آتے۔

اماں کے سامنے بہت اہم مسئلہ تھا جو پوری دلسوزی سے لاڈلی بھانجی کو سنایا جا رہا تھا۔

”یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں خالہ! بچوں کیلئے میں چکن اور سبزیاں ڈال کر اسپیکٹی بنا دوں گی۔“ اس نے مسئلے کا حل پیش کیا۔

”ارے چھوڑو! یہ موٹی اسپیکٹی بھی کوئی پیٹ بھرنے کی چیز ہے۔ منہ کے ذائقے کیلئے کھا لو وہ الگ بات ہے لیکن کھانے کے بدلے ایسی چیزیں بچوں کو کھانا مجھے قطعاً پسند نہیں۔ صبح بھی خالی ایک دو سلاکس مکھن یا جام لگا کر کھاتے ہیں۔ دوپہر میں بھی اسپیکٹی کھائیں گے تو جان کیا خاک بنے گی۔ ہم تو اپنے بچوں کو صبح ناشتے

تویوں بھی آری میں ہونے کی وجہ سے اکثر گھر سے دور ہی رہتا تھا۔ کبھی کبھار چھٹیوں پر آتا تو اس کی حیثیت مہمان کی سی ہوتی۔ کوئی کام کرنا تو دور کی بات وہ تو یہاں رہ کر ہر وقت بس اپنے لاڈلی اٹھواتا رہتا تھا۔ لیکن اب اسے اپنی گردن پھینکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

”افغان بیٹا! ذرا ایک گلو قیرہ تو لا دو۔ بچی ابھی سے مصلالہ وغیرہ لگا کر رکھے گی تو کھانے کے وقت تک تیار ہو سکے گا۔“ وہ تو لیے سے پسینہ پونچھتے ہوئے چپکے سے اپنے کمرے کا رخ کر رہا تھا کہ اماں نے اسے پکار لیا۔ ”کیا ہے اماں! کوئی ضرورت ہے کہ آج لاؤ مادام کا قیرہ ہی بنایا جائے۔ کچھ اور بھی تو پک سکتا ہے۔“

اس نے سمیعہ کو گھورتے ہوئے اماں کو جواب دیا۔ ”مکھیں ذرا سا کام کیا کہہ دیا۔ تم لے لو بائیں بنانے۔ ہم تم سے کونسا بہت کام لیتے ہیں، یہ تو مجبوری آن پڑی ہے جو تم سے بازار تک جانے کو کہہ دیا۔ تم جان چاہتے تو کوئی بات نہیں میں خود ہی دھت کر کے بھل جاتی ہوں۔ کم بخت آج ان پیروں میں بھی ہر اور سے دور پہلے ہی تم سے نہ کہا ہوتا۔ اماں نے بنا کسی لحاظ کے اسے باتیں سنا ڈالیں۔ ایک تو سمیعہ کے سامنے بے عزتی کا احساس اس پر سے اس کا ہونٹ دبا دبا کر مسکرتا، افغان کا تو پارہ ہی ہانی ہو گیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بیٹھیں گھر میں، میں کر دیتا ہوں“ تخت کے نیچے پیروں کی مدد سے چٹپٹیں ٹٹولتی اماں کو اس نے روکا اور خود تولیہ تخت پر پھیٹ کر دھم دھم کرتا گھر سے باہر نکل گیا۔

”آپ اندر جا کر آرام کریں خالہ! میں سارا کام دیکھ لوں گی“ افغان کے باہر نکلنے کے بعد سمیعہ نے مشورہ دیا تو انہوں نے پیروں میں ہونی شدید تکلیف کے پیش نظر اس مشورے کو ماننے میں ہی عافیت بھی۔ افغان واپس لوٹا تو تب تک پین کمرے لے کر سو چکی تھیں۔ مجبوراً اسے کچن تک جانا پڑا۔

”یہ لو۔“ اس نے قیمے کا شا پر کچن کاؤنٹر پر پٹھا۔

میں پرانے کھلایا کرتے تھے۔ آج کل کی ماؤں نے اپنی آسانی کیلئے بچوں کو ڈبل روٹی، پاپیوں کے پانا شروع کر دیا ہے۔ وہ یوں تو بہو کی بڑی قدر دان تھیں لیکن جب معاملہ پوتوں کا آتا تھا تو ان سے معمولی سی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ سمیعہ ان کی اپنے پوتوں سے بے تحاشہ محبت سے واقف تھی اس لیے برا مانے بغیر ایک اور تجویز پیش کی۔

”چلیں پھر ایسا کرتے ہیں، چائے رائس بنالیتی ہوں۔ بچے شوق سے بھی کھالیں گے اور کھانے جیسا کھانا بھی ہو جائے گا۔“

”وہ افغان کو پسند نہیں اور بچ کہوں تو میرے اپنے حلق سے بھی نہیں اترتے، ایسے پھکے سیٹھے کھانے“ اماں کے پاس ایک اور اعتراض موجود تھا۔

آپ لوگوں کے لیے ساتھ میں مٹر قیرہ بنا دوں گی۔ اس پر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے نا؟ ماتھے پر شکن لائے بغیر اس نے ان کا اعتراض دور کیا۔

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ افغان کو بھی پسند ہے اور مجھے بھی۔ بچے بھی تھوڑا بہت کھا ہی لیتے ہیں۔“

وہ بالآخر متفق ہو ہی گئیں لیکن پھر اچانک ہی انہیں خیال آیا۔

”قیرہ تو ہے ہی نہیں۔ عرفان تو صرف مرغی کا گوشت لایا ہے۔ فرنیج میں جو گائے کا گوشت رکھا تھا وہ کل میں نے پالک کے ساتھ پکا لیا تھا۔ عرفان کو بتانے کا خیال ہی نہیں رہا ورنہ وہ ساتھ ہی اسے بھی لا دیتا۔“

”پھر اب کیا کریں؟“ سمیعہ نے بالآخر ہار مانتے ہوئے ان سے ہی دریافت کیا۔

”ارے کرنا کیا ہے؟ ابھی افغان کو بھیج کر قیرہ منگوا لیتی ہوں۔ اتنی مشکل سے تو پکانے کو کچھ سمجھ آیا ہے۔ اب اسے چھوڑ کر دوبارہ سے کیا سوچیں گے“ اماں کی بات سن کر افغان چونکا۔ اشیائے خور و نوش کی خریداری، خصوصاً مہتری اور گوشت خریدنا ہمیشہ ہی اس کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ پہلے یہ کام ابا انجام دیتے تھے، ان کے بعد عرفان بھائی نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ

میں پرانے کھلایا کرتے تھے۔ آج کل کی ماؤں نے اپنی آسانی کیلئے بچوں کو ڈبل روٹی، پاپیوں کے پانا شروع کر دیا ہے۔ وہ یوں تو بہو کی بڑی قدر دان تھیں لیکن جب معاملہ پوتوں کا آتا تھا تو ان سے معمولی سی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ سمیعہ ان کی اپنے پوتوں سے بے تحاشہ محبت سے واقف تھی اس لیے برا مانے بغیر ایک اور تجویز پیش کی۔

چلیں پھر ایسا کرتے ہیں، چائے رائس بنالیتی ہوں۔ بچے شوق سے بھی کھالیں گے اور کھانے جیسا کھانا بھی ہو جائے گا۔

وہ افغان کو پسند نہیں اور بچ کہوں تو میرے اپنے حلق سے بھی نہیں اترتے، ایسے پھکے سیٹھے کھانے

اماں کے پاس ایک اور اعتراض موجود تھا۔

آپ لوگوں کے لیے ساتھ میں مٹر قیرہ بنا دوں گی۔ اس پر تو کسی کا اختلاف نہیں ہے نا؟ ماتھے پر شکن لائے بغیر اس نے ان کا اعتراض دور کیا۔

ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ افغان کو بھی پسند ہے اور مجھے بھی۔ بچے بھی تھوڑا بہت کھا ہی لیتے ہیں۔

وہ بالآخر متفق ہو ہی گئیں لیکن پھر اچانک ہی انہیں خیال آیا۔

قیرہ تو ہے ہی نہیں۔ عرفان تو صرف مرغی کا گوشت لایا ہے۔ فرنیج میں جو گائے کا گوشت رکھا تھا وہ کل میں نے پالک کے ساتھ پکا لیا تھا۔ عرفان کو بتانے کا خیال ہی نہیں رہا ورنہ وہ ساتھ ہی اسے بھی لا دیتا۔

پھر اب کیا کریں؟

سمیعہ نے بالآخر ہار مانتے ہوئے ان سے ہی دریافت کیا۔

ارے کرنا کیا ہے؟ ابھی افغان کو بھیج کر قیرہ منگوا لیتی ہوں۔ اتنی مشکل سے تو پکانے کو کچھ سمجھ آیا ہے۔ اب اسے چھوڑ کر دوبارہ سے کیا سوچیں گے

اماں کی بات سن کر افغان چونکا۔ اشیائے خور و نوش کی خریداری، خصوصاً مہتری اور گوشت خریدنا ہمیشہ ہی اس کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ پہلے یہ کام ابا انجام دیتے تھے، ان کے بعد عرفان بھائی نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ

آرام سے بچتی۔ میرا دل بہت تازک ہے۔ اس نے اپنا دوپٹہ بچن کے دروازے پر لٹکا رکھا اور خود بری طرح مصروف تھی۔ افنان کے انداز پر دہلنے کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے اسے ٹوکا۔

”اماں! میں تو نہیں بتا دینا کہ میں اپنے دوست کے گھر گیا ہوں“ وہ سنی ان سنی کرتا ہوا واپس پلٹ گیا۔ سمیعہ پر خود بھی اس وقت اچھا سا کھانا پکانے کی دھن سوار تھی۔ اس لیے مزید چھیڑ چھاڑ سے باز رہتے ہوئے اپنے کام میں منہمک ہو گئی۔ کام میں وقت کیسے گزر رہا تھا، یہ نہیں چلا۔ وہ فارغ ہو کر بچن سے نکلی تو دیکھا خالہ کی فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ توجہ دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ گھریلوں تو صاف ستھرا تھا لیکن افنان اور بچوں کی چند چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ان چیزوں کو سمیٹ ہی رہی تھی کہ بچے اسکول سے لوٹ آئے۔

”تم دونوں جلدی سے چھینچ کر کے منہ ہاتھ دھو لو۔ پھر میں کھانا لگاتی ہوں“ اس نے افنان کا تخت پر پھینکا ہوا تولیہ اٹھا کر دھوپ میں پھیلاتے ہوئے بچوں سے کہا۔

”کیا پکا ہے سمیعہ آئی؟“ بڑے غفران نے اشتیاق سے پوچھا۔

”جو پکا ہے آپ کی پسند کا ہے۔ اسے لیے جلدی سے جاؤ اور چیتج کرو“ سمیعہ نے سیدھا جواب دینے کے بجائے اس کے اشتیاق کو مزید بھڑکایا۔

اور بچن کی طرف روانہ ہو گئی۔ بچوں کے فریش ہو کر آنے تک وہ دسترخوان بچھا کر کھانا لگا چکی تھی۔

”آہا! چائینہ رانس اور دم کا قیرہ، آج تو مزہ ہی آ گیا۔“ غفران نے دسترخوان پر موجود کھانوں کو دیکھ کر خوشی کا نعرہ لگایا۔

”دعا دو اپنی سمیعہ آئی کو۔ ورنہ تمہاری بوڑھی دادی میں تو اتنا دم نہیں تھا کہ یہ سب پکا کر تمہیں کھلاتی“ بچوں کی پلیٹوں میں کھانا ڈالتے ہوئے انہوں نے محبت سے سمیعہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو سمیعہ آئی!“ غفران اور عدنان بیک زبیاں ہو کر بولے۔

”تھینک یو کی کیا بات ہے، میں نے اپنی خوشی سے بھلا ہے“ خالہ کے سامنے راستے کا پیالہ کھسکاتے ہوئے سمیعہ نے جواب دیا۔

”تم بھی تو لونٹاں بیٹا! تم کیوں ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو؟ انہوں نے سمیعہ کو کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہ دیکھ کر اسے ٹوکا۔

”ابھی بھوک نہیں ہے خالہ!“ اس نے پیٹ میں اچھل کود کرتے چوہوں کو نظر انداز کر کے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور بہانہ بنا دیا۔ افنان کو گھر سے نکلے کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ اصولاً اسے اب تک واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن وہ غائب تھا۔

”چاچو کہاں گئے ہیں دادی؟“ کھانا کھاتے ہوئے عدنان کو خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

”اپنے دوست کے گھر گئے ہیں۔ ابھی فون آیا تھا کہ شام تک واپس آ جاؤں گا۔ بچوں سے کہیں کھانا کھا کر آرام کریں۔ شام میں انہیں گھمانے لے جاؤں گا۔“

”یا ہو“ دادی سے ملنے والی اطلاع پر دونوں خوشی سے نعرہ لگایا تو وہ مسکرائے لگیں لیکن سمیعہ کے اندر دور تک سناٹا چھا گیا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کا پکا یا ہوا کھانا کھانے کیلئے افنان نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ اپنی محنت کے اس طرح رائیگاں جانے پر اس کا دل بری طرح بھرا آیا۔

”بہت دیر ہو گئی ہے خالہ! میں گھر چلتی ہوں امی انتظار کر رہی ہوگی۔“ اس سے قبل کہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے وہ بہانہ بناتی تیزی سے اٹھ کر باہر کی طرف دوڑ گئی۔ پیچھے خالہ اور بچوں نے اسے کتنی آوازیں دیں اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

☆☆☆

”اماں تمہیں یاد کر رہی ہیں“ اگلے دن عرفان بھائی نے یہ پیغام پہنچایا تو وہ خالہ کے گھر جانے سے خود کو روک نہیں پائی ورنہ افنان کے رویے سے دل بہت دکھا

تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ جب تک افغان یہاں ہے
خالہ کے گھر نہیں جاتا۔ مگر خالہ کے ایک چھوٹے سے
پتہ نام نے ایک بل میں ہی فیصلہ بدل ڈالا۔ اب پتہ
نہیں ایسا خالہ کی محبت کے باعث تھا یا اس کا اپنا دل ہی
بے ایمان تھا جو افغان کی بے رخی پر بس ذرا ہی دیر بخارہ
پاتا اور وہ ساری انا بھول بھال کر ایک بار پھر اس کے
سامنے جا پہنچی تھی۔

”کیا بہت مصروف تھی میری بیٹی! کل دوپہر کے بعد
سے صورت ہی نہیں دکھائی۔ معلوم بھی ہے کہ خالہ کا دل
اداس ہو جاتا ہے اگر روز صبح تمہاری صورت نہ دیکھیں“
وہ وہاں پہنچی تو خالہ نے اسے خود بھی پتہ نہیں چلا لیکن
اب صورتحال یہ تھی کہ جب اس کی حرکتوں پر افغان بیچ
و تاب کھاتا تو بھی تو وہ اس کی کیفیت سے خط اٹھاتی اور
بھی افسردہ ہو جاتی کہ اس کی اس قدر توجہ کے باوجود
افغان اس کی طرف راغب کیوں نہیں ہوتا۔

میٹرک کے بعد اس کا افغان سے نکاح ہوا تھا اور اب
اڑھائی سال بعد جبکہ وہ تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی،
معاملات ہنوز اسی طرح چلے آ رہے تھے۔ نہ افغان اپنی
مخ مزاجی سے باز آتا تھا نہ سمیعہ کی چاہے جانے کی
خواہش ماند پڑتی تھی۔ بلکہ یہ خواہش تو ہر گزرتے دن
کے ساتھ شدید ترین ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

”کیا کر رہی ہیں خالہ؟“ وہ صحن میں ایک طرف
ایکسر سائز میں مصروف تھا۔ قریب ہی اماں تخت پر بیٹھی
اپنے سامنے بڑے شاپنگ بیگز میں جھانک رہی تھیں
کہ سمیعہ چلی آئی۔

”کرنا کیا ہے بیٹا؟“ عرفان صبح آفس جاتے وقت یہ
بہنریاں اور مرغی تھا گیا ہے۔ انہیں ہی دیکھ رہی تھی کہ
کیا پکاؤں؟ خیال تھا کہ مرغی کا قورمہ بنالیتی ہوں لیکن
قورمہ بچے شوق سے نہیں کھاتے۔

بچارے سکول سے تھکے ماندے آئیں گے اور آگے
سے کھانا پسند کا نہیں ملے گا تو دل برا ہوگا ان کا۔ سعد یہ
گھر پر ہوتی تو کوئی فکر کی بات نہیں تھی وہ جھٹ پٹ

بچوں کی پسند کی چیزیں بنا دیتی ہے۔ اب میں تو اس عمر
میں نہ کھانے پکانے سے رہی وہ رواجی کھانے
بنانے آتے ہیں جو آج کل کے بچوں کو پسند نہیں آتے۔

اماں کے سامنے بہت اہم مسئلہ تھا جو پوری دوسوڑی سے
لاڈلی بھانجی کو سنایا جا رہا تھا۔

”یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں خالہ! بچوں کیلئے میں چکن اور
بہنریاں ڈال کر اسٹیک بنادوں گی۔“ اس نے مسئلے کا
حل پیش کیا۔

”ارے چھوڑو! یہ موٹی اسٹیک بھی کوئی پیٹ بھرنے کی
چیز ہے۔ منہ کے ڈانٹے کیلئے کھا لو وہ الگ بات ہے
لیکن کھانے کے بدلے ایسی چیزیں بچوں کو کھانا مجھے
قطعاً پسند نہیں۔ صبح بھی خالی ایک دو سانس نکھن یا جام
لگا کر کھاتے ہیں۔ دوپہر میں بھی اسٹیک کھائیں گے تو
جان کیا خاک بنے گی۔ ہم تو اپنے بچوں کو صبح ناشتے
میں پراٹھے کھلایا کرتے تھے۔ آج کل کی ماؤں نے
اپنی آسانی کیلئے بچوں کو ڈبل روٹی، پاپوں پر پالنا
شروع کر دیا ہے“ وہ یوں تو بہو کی بڑی قدر وہ ان میں
لیکن جب معاملہ پوتوں کا آتا تھا تو ان سے معمولی سی
کو تا ہی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ سمیعہ ان کی اپنے
پوتوں سے بے تحاشہ محبت سے واقف تھی اس لیے برا
مانے بغیر ایک اور تجویز پیش کی۔

”چلیں پھر ایسا کرتے ہیں، چائے رائس بنالیتی ہوں۔
بچے شوق سے بھی کھالیں گے اور کھانے جیسا کھانا بھی
ہو جائے گا۔

”وہ افغان کو پسند نہیں اور سچ کہوں تو میرے اپنے حق
سے بھی نہیں اترتے، ایسے پھکے سیٹھے کھانے“ اماں کے
پاس ایک اور اعتراض موجود تھا۔

آپ لوگوں کے لیے ساتھ میں مٹر قیمہ بنادو گی۔ اس پر
تو کسی کا اختلاف نہیں ہے نا؟ ماتھے پر شکن لائے بغیر
اس نے ان کا اعتراض دور کیا۔

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ افغان کو بھی پسند ہے اور مجھے بھی۔
بچے بھی تھوڑا بہت کھائی لیتے ہیں۔

وہ بالآخر متعلق ہوئی گئیں لیکن پھر اچانک ہی انہیں خیال آیا۔
 ”قیمہ تو ہے ہی نہیں۔ عرفان تو صرف مرغی کا گوشت لایا ہے۔ فرنیج میں جو گائے کا گوشت رکھا تھا وہ کل میں نے پالک کے ساتھ پکا لیا تھا۔ عرفان کو بتانے کا خیال ہی نہیں رہا ورنہ وہ ساتھ ہی اسے بھی لادیتا۔“
 ”پھر اب کیا کریں؟“ سمیعہ نے بالآخر ہار مانتے ہوئے ان سے ہی دریافت کیا۔

”ارے کرنا کیا ہے؟ ابھی افنان کو بھیج کر قیمہ منگوا لیتی ہوں۔ اتنی مشکل سے تو پکانے کو کچھ سمجھ آیا ہے۔ اب اسے چھوڑ کر دوبارہ سے کیا سوچیں گے؟“ اماں کی بات سن کر افنان چونکا۔ اشیائے خورد و نوش کی خریداری؛ خصوصاً سبزی اور گوشت خریدنا ہمیشہ ہی اس کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ پہلے یہ کام ابا انجام دیتے تھے، ان کے بعد عرفان بھائی نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ وہ تو یوں بھی آبرمی میں ہونے کی وجہ سے اکثر گھر سے دور ہی رہتا تھا۔ کبھی کبھار چھٹیوں پر آتا تو اس کی حیثیت مہمان کی سی ہوتی۔ کوئی کام کرنا تو دور کی بات وہ تو یہاں رہ کر ہر وقت بس اپنے لاڈلی اٹھواتا رہتا تھا۔ لیکن اب اسے اپنی گردن پھٹستی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

”افنان بیٹا! ذرا ایک کلو قیمہ تو لادو۔ بچی ابھی سے مصالحہ وغیرہ لگا کر رکھے گی تو کھانے کے وقت تک تیار ہو سکے گا۔“ وہ تو لیے سے پسینہ پونچھتے ہوئے چپکے سے اپنے کمرے کا رخ کر رہا تھا کہ اماں نے اسے پکار لیا۔
 ”کیا ہے اماں! کوئی ضروری ہے کہ آج لازماً دم کا قیمہ ہی بنایا جائے۔ کچھ اور بھی تو پک سکتا ہے۔“

اسی نے سمیعہ کو گھورتے ہوئے اماں کو جواب دیا۔
 ”میں ذرا سا کام کیا کہہ دیا۔ تم لگے باتیں بنانے۔ ہم تم سے کونسا بہت کام لیتے ہیں، یہ تو مجبوری آن پڑی ہے جو تم سے بازار تک جانے کو کہہ دیا۔ نہیں جانا چاہتے تو کوئی بات نہیں میں خود ہی ہمت کر کے چلی جاتی ہوں۔ کم بخت آج ان پیروں میں بھی بڑا درد ہے ورنہ

میں ہی تم سے نہ کہا ہوتا۔ اماں نے بنا کسی لحاظ کے اسے باتیں سنا ڈالیں۔ ایک تو سمیعہ کے سامنے سبب عزتی کا احساس اس پر سے اس کا ہوش دبا دیا کہ گھر کا، افنان کا تو پارہ ہی باقی ہو گیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بیٹھیں گھر میں، میں لا کر دیتا ہوں“ تخت کے نیچے پیروں کی مدد سے چپکلیں ٹٹولتی اماں کو اس نے روکا اور خود تولیہ تخت پر پھینک کر دھم دھم کرتا گھر سے باہر نکل گیا۔

”آپ اندر جا کر آرام کریں خالہ! میں سارا کام دیکھ لوں گی“ افنان کے باہر نکلنے کے بعد سمیعہ نے مشورہ دیا تو انہوں نے پیروں میں ہونی شدید تکلیف کے پیش نظر اس مشورے کو ماننے میں ہی عافیت سمجھی۔ افنان واپس لوٹا تو تب تک پین کھر لے کر سو گئی چکی تھیں۔ مجبوراً اسے جین تک جانا پڑا۔

”یہ لو!“ اس نے قیمے کا شا پرچن کا دستر پر چٹا۔ آرام سے بٹھی۔ میرا دل بہت نازک ہے۔ اس نے اپنا وہ پٹہ پچن کے دروازے پر لٹکا رکھا اور خود بری طرح مصروف تھی۔ افنان کے انداز پر وہ ملنے کی ادا کا دل کرتے ہوئے اس نے اسے ٹوکا۔

”اماں انھیں تو انہیں بتا دینا کہ میں اپنے دوست کے گھر گیا ہوں“ وہ سنی ان سنی کرتا ہوا واپس پلٹ گیا۔ سمیعہ پر خود بھی اس وقت اچھا سا کھانا پکانے کی دھن سوار تھی۔ اس لیے مزید تھپتھپ چھاڑ سے باز رہتے ہوئے اپنے کام میں منہمک ہو گئی۔ کام میں وقت کیسے گزرا پتہ ہی نہیں چلا۔ وہ فارغ ہو کر پچن سے نکلی تو دیکھا خالہ ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ توجہ دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ گھریلوں تو صاف سہرا تھا لیکن افنان اور بچوں کی چند چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ان چیزوں کو سمیٹ ہی رہی تھی کہ بچے اسکول سے لوٹ آئے۔

”تم دونوں جلدی سے چینیج کر کے منہ ہاتھ دھو لو۔ پھر میں کھانا لگاتی ہوں“ اس نے افنان کا تخت پر پھینکا ہوا تولیہ اٹھا کر دھوپ میں پھیلاتے ہوئے بچوں سے

”کیا پکا ہے سمیعہ آنٹی؟“ بڑے غفران نے اشتیاق سے پوچھا۔

”جو پکا ہے آپ کی پسند کا ہے۔ اسے لیے جلدی سے جاؤ اور پیچ کر دو“ سمیعہ نے سیدھا جواب دینے کے بجائے اس کے اشتیاق کو مزید بھڑکایا۔

اور بچوں کی طرف روانہ ہو گئی۔ بچوں کے فریش ہو کر آنے تک وہ دسترخوان بچھا کر کھانا لگا چکی تھی۔

”آہا چائینہ راس اور دم کا قیمہ، آج تو مزہ ہی آگیا۔“ غفران نے دسترخوان پر موجود کھانوں کو دیکھ کر خوشی کا نعرہ لگایا

”دعا دو اپنی سمیعہ آنٹی کو۔ ورنہ تمہاری بوڑھی دادی میں تو اتنا دم نہیں تھا کہ یہ سب پکا کر تمہیں کھلائی“ بچوں کی پلیٹوں میں کھانا ڈالتے ہوئے انہوں نے محبت سے سمیعہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو سمیعہ آنٹی!“ غفران اور عدنان بیک زبان ہو کر بولے۔

”تھینک یو کی کیا بات ہے، میں نے اپنی خوشی سے بتایا ہے“ خالہ کے سامنے راسے کا پیالہ کھسکاتے ہوئے سمیعہ نے جواب دیا۔

”تم بھی تو لوٹنا بیٹا! تم کیوں ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو؟ انہوں نے سمیعہ کو کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہ دیکھ کر اسے ٹوکا۔

”آج بھی بھوک نہیں ہے خالہ!“ اس نے پیٹ میں اچھل کود کرتے چوہوں کو نظر انداز کر کے گھڑی برنگہ ڈالی اور بہانہ بنا دیا۔ افغان کو گھر سے نکلے کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔ اصولاً اسے اب تک واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن وہ غائب تھا۔

”چاچو کہاں گئے ہیں دادی؟“ کھانا کھاتے ہوئے عدنان کو خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

”اپنے دوست کے گھر گئے ہیں۔ ابھی فون آیا تھا کہ شام تک واپس آ جاؤں گا۔ بچوں سے کہیں کھانا کھا کر آرام کریں۔ شام میں انہیں گھمانے لے جاؤں گا۔“

”یا ہو“ دادی سے ملنے والی اطلاع پر دونوں خوشی سے نعرہ لگایا تو وہ مسکراتے لگیں لیکن سمیعہ کے اندر دوسرے سناٹا مچھا گیا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس کا نکالیا ہوا کھانا نہ کھانے کیلئے افغان نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ اپنی محنت کے اس طرح رائیگاں جانے پر اس کا دل بری طرح بھرا آیا۔

”بہت دیر ہو گئی ہے خالہ! میں گھر چلتی ہوں اپنی انتہار کر رہی ہو گئی۔“ اس سے قبل کہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے وہ بہانہ بناتی تیزی سے اٹھ کر باہر کی طرف دوڑ گئی۔ پیچھے خالہ اور بچوں نے اسے مٹی آواز میں دیا اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

☆☆☆

”اماں تمہیں یاد کر رہی ہیں“ اگلے دن عرفان بھائی نے یہ پیغام پہنچایا تو وہ خالہ کے گھر جانے سے خود کو روک نہیں پائی ورنہ افغان کے رویے سے دل بہت دکھا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ جب تک افغان یہاں ہے خالہ کے گھر نہیں جانا۔ مگر خالہ کے ایک چھوٹے سے پیغام نے ایک ہل میں ہی فیصلہ بدل ڈالا۔ اب یہ نہیں ایسا خالہ کی محبت کے باعث تھا یا اس کا اپنا دل ہی بے ایمان تھا جو افغان کی بے رخی پر بس ذرا ہی دیر خوارہ پاتا اور وہ ساری انا بھول بھال کر ایک بار پھر اس کے سامنے جا بیٹھتی تھی۔

”کیا بہت مصروف تھی میری بیٹی اکل دوپہر کے بعد سے صورت ہی نہیں دکھائی۔ معلوم بھی ہے کہ خالہ کا دل او اس ہو جاتا ہے اگر روز صبح تمہاری صورت نہ دیکھیں“ وہ وہاں پہنچی تو خالہ نے اسے خود سے لپٹاتے ہوئے گلے کیا۔

”بس آنے ہی لگی تھی خالہ! آج صبح سے گھر کی صفائی کا کام نکالا ہوا تھا اس لیے دیر ہو گئی“ خالہ کے شائے پر تھوڑی ٹکارتے اس نے اپنا بازو بھی ان کے گرد جمائل کر دیا۔ خالہ کی اپنے لیے محبت سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ بیٹی نہ ہونے کے باعث انہوں نے ہمیشہ سمیعہ کو ہی اپنی بیٹی سمجھا تھا اور پھر جب سے وہ افغان

کے ساتھ منسوب ہوئی تھی ان کی محبت مزید بڑھ گئی تھی۔

”رافعہ سے کہوں گی کہ میری بیٹی سے اتنا کام نہ لیا کرے۔ اس سے نہیں سنبھلتا گھر تو مدد کیلئے کام والی رکھ لے۔ بچی کو اتنا کیا مصروف رکھنا کہ اسے خالہ کے گھر آنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔“

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے خالہ! خالہ کی بات سن کر وہ کچھ جھنجھٹے ہوئے بولی تو وہ ہنس دیا۔ جانتی تھیں کہ مصروفیت کے حصے محض بہانہ بازی تھی اور اپنے ان بیانوں پر اب وہ خود ہی شرمندہ بھی ہو رہی تھی۔

”سعدیہ بھابھی کچن میں ہیں؟ دو دن ہو گئے ملاقات نہیں ہوئی، ذرا ان سے مل کر آتی ہوں وہ خالہ خالی کی ہنسی کو نظر انداز کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی جہاں سے برتنوں کے اٹھانے رکھنے کی آوازوں سے سعدیہ بھابھی کی وہاں موجودگی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

”السلام علیکم بھابھی!“ کچن میں قدم رکھتے اس نے سلام جھاڑا۔

”وعلیکم السلام! کہاں ہو بھئی؟ جب سے واپس لوٹی ہوں تمہاری صورت ہی دکھائی نہیں دی۔“

بھابھی نے کٹے ہوئے ٹماٹر پیسلی میں ڈالتے ہوئے ذرا کی ذرا اس پر بھی نظر کی۔

”آپ کب واپس آئیں؟“ اس نے ان کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”کل مغرب سے پہلے ہی واپس آ گئی تھی۔ بچے بہت خوش تھے کہ سمیعہ آئی ہے ہمیں بہت مزے کا لٹچ کر دیا۔“ بھابھی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو اسے ایک بار پھر افغان کی بے رخی یاد آ گئی۔

”کیا ہوا؟ چپ کیوں ہو گئیں؟“ سعدیہ بھابھی نے اسے خاموش ہوتے ہوئے دیکھ کر ٹوکا۔

”کچھ نہیں۔ آپ بتائیں کیا ہوا نادیدہ کے رشتے کا؟“ اس نے خود پر سے ان کی توجہ ہٹائی۔

”رشتہ تو بہت اچھا ہے، عرفان کو بھی لڑکا بہت پسند آیا ہے، بس تھوڑی سی چھان بین اور کر لیں تو“ ”ہاں“

میں جواب دے کر جلد کوئی رسم وغیرہ کر لیجئے۔“ سعدیہ بھابھی کے چہرے پر خوشی کی جھلک تھی۔

”یہ تو اچھی خبر ہے، اس کا مطلب ہے کہ ہمیں جلد ہی ایک تقریب میں شرکت کی تیاری کرینی چاہیے“ جواباً اس نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ یوں بھی وہ بڑی سادہ طبیعت اور ہر ایک کی خوشی میں خوش ہو جانے والوں میں سے تھی۔ اب بھی کیا بوں کیلئے گول گول نکلیاں بناتے غیر محسوس طور پر سعدیہ بھابھی کے ساتھ کام میں شریک ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی نادیدہ کے متوقع سسرالوں کے بارے میں بھابھی کے پر جوش تبصرے اور اندازے، بہت لگن کے ساتھ سن رہی تھی۔

”کباب فریج میں رکھ دو، کھانے کا وقت ہونے میں تو اچھی خاصی دیر ہے، جب روٹی کئے گئی تو اس وقت ہی کباب بھی فرانی ہو جائیگا۔“ سالن کے نیچے آنچ دھیمی کرتے بھابھی نے اسے کچن سے نکلنے کا اشارہ کیا تو وہ ان کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

”سمیعہ آئی! آئیے ہمارے ساتھ کھیلیں“ باہر نکلتے ہی اسے غفران اور عدنان نے گھیر لیا۔

”کیا کھیلنا ہے بھئی؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”وہ گیم جس میں ایک ٹیم سوئنگ گاتی ہے تو دوسری ٹیم اس سوئنگ کے آخری حرف سے شروع ہونے والا سوئنگ سناتی ہے“ بچوں نے یقیناً وی پر کوئی پروگرام دیکھا تھا جسے اب وہ خود پر فارم کرنا چاہتے تھے۔

”اچھا تو پھر جلدی سے ٹیمیں بنالو“ وہ سدا کی لا لبا لبا، بچوں کے ساتھ بچی بن کر جھٹ پٹ ان کے کھیل میں شریک ہونے کیلئے تیار ہو گئی۔

”میں اور عدنان ایک ٹیم ہیں اور آپ دوسری“ غفران نے فوراً ہی فیصلہ سنایا۔

”واہ بھئی، تم دو دو اور میں اکیلی، یہ تو بے ایمانی ہے“ اس نے احتجاج کیا۔

”تو آپ ہم دونوں سے بڑی بھی تو ہیں، آپ تو اکیلی ہی ہم سے مقابلہ کر سکتی ہیں“ غفران نے دلیل دی تو اسے بار مانتی پڑی۔

پھر تم لوگ پہلے سٹارٹ لو" وہ تخت پر
جاتی پانچ بار کڑبچوں کے سامنے بیٹھ گئی۔ سعد یہ بھا بھی
ان لوگوں کی باتیں سنتی، مسکراتے ہوئے رسی پر سے
اٹھتے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر اتار رہی تھیں، جبکہ خال
شاید اندر اپنے کمرے میں تھیں۔

تجربے ہیں ہم سے
بھی عمر نہیں ہے پیارے
یادوں کی کھلی بھاری کی
سب کئی کھلی بھاری کی

غفران اور عدنان نے ملکر جو گانا شروع کیا اسے سن کر
اسکی ہنسی چھوٹ گئی، گانے والوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ
وہ کیا گارہے ہیں۔

"سہری ہیں بھابھی! اپنے سپوتوں کے خیالات اس
نے اسی کے دوران ہی بھابھی کو مخاطب کیا وہ خود بھی
مسکرا رہی تھیں۔

"سیریلی کھیلیں سمیچہ آئی! عدنان نے اس کے ہنسنے
پر فحش کا اظہار کیا۔

"اچھا بابا! ناراض نہیں ہو، میں سیریلیں ہو جاتی ہوں"
اس نے اپنی ہنسی پر قابو پایا۔

ہاں تو آخری حرف کیا ہے تمہارے گانے کا" اس نے
گما کھنکھارتے ہوئے مصنوعی ہنسی کا اظہار کیا۔

ئی۔ئی سے شروع ہونے والا سونگ سنائیں" غفران کا
انداز بھی روٹھاروٹھا تھا۔

جو محبت ہے
ان کا ہے کام

تجربہ کا بس، جو لیتے ہوئے نام
مٹ جائیں، مر جائیں، ہو جائیں بدنام

سمیچہ نیلم نے بڑے جذب سے گانا شروع کیا تھا،
انہماک اتنا تھا کہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ کب افنان

اپنے کمرے سے نکل کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔
یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے، کچھ خیال نہیں کہ مغرب کا

وقت ہونے والا ہے، میں اندر تلاوت کر رہا ہوں، امی
تسبیحات پڑھ رہی ہیں اور یہاں بے سرے راگ

الاسے جارہے ہیں" وہ فونو گرامز کے
کے چین سر پر کھڑا تھا۔ سمیچہ کی آواز حلق میں ہی پھنس
کر رہ گئی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ افنان اس
وقت گھر میں موجود ہے۔

"سمیچہ کو کوئی قصور نہیں، یہ تمہارے شیطان ہتھیوں نے
ہی اس بیچاری کو اپنے ایم میں شامل کیا ہے" سعد یہ
بھابھی اس کی سنی گم ہوتے دیکھ کر اس کی مدد کیلئے آگے
بڑھیں۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ بندہ بچوں کے ساتھ خود بھی بچہ
بن جائے، بچے تو نادان ہوتے ہیں، بڑوں کا فرض ہوتا
ہے انہیں اچھے برے کی تمیز سکھانے میں، لیکن یہاں تو خود

بڑوں کو کسی بات کی تمیز چھو کر نہیں گزری تو بچوں کو کیا
خاک سکھائیں گے" وہ ذہرا گل کرتن کرتن کرتا واپس
اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ذلت کے شدید احساس سے

دو چار سمیچہ بھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ساکت بیٹھی
اسے دیکھتی رہی۔

"افنان تو بس جذباتی ہی ہو جاتا ہے، تم دل پر مت بو
اس کی باتوں کو" سمیچہ کو بھابھی نے دلاسہ دینے کی
کوشش کی لیکن اسکے آنسوؤں کو تو جیسے بہنے کا بہانہ مل

گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، خال جو افنان کی
بلند آواز پر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھیں تیزی
سے اس کی طرف لپکیں۔ بڑی مشکلوں سے انہوں نے

اور سعد یہ بھابھی نے ملکر اسے چپ کر وایا۔ وہ چپ تو
ہو گئی لیکن پھر مزید وہاں رکنے پر تیار نہیں ہوئی۔ ان
دونوں کے بے حد اصرار پر بھی وہ رات کے کھانے پر

رکنے کے بجائے گھر لوٹ گئی۔

☆☆☆

"افنان! ذرا تم میرے کمرے میں آؤ" رات کے
کھانے کے بعد جب وہ سب اپنے اپنے کمروں کا رخ
کر رہے تھے اماں نے اسے آواز دی، وہ اس طلب کی وجہ

سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے ہی ان کے کمرے میں چلا آیا
۔ اماں نے اپنے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی باتھ کے
اشارے سے اپنے قریب ہی بیٹھنے کا حکم دیا، کچھ دیر

پھر

پھر

پھر

دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی پھر اماں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”میں نے تمہیں سمیچہ کے سلسلے میں بات کرنے کیلئے بلایا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارا سلوک دن بدن اس کے ساتھ خراب ہوتا جا رہا ہے، اکثر تم اسے بلاوجہ ہی جھڑک دیتے ہو، آخر کیا وجہ ہے کہ تم اس سے اتنا جڑتے ہو؟“

”مجھے اس کے طور طریقے پسند نہیں ہیں، جب دیکھوں بچوں کے ساتھ ملکر اودھم مچا رہی ہوئی ہے مزاج میں لاپرواہی اتنی ہے کہ ڈھنگ سے دوپٹہ اوڑھنے کا ہوش ہو رہتا، گفتگو کا سلیقہ نہیں ہے، ایسی لڑکی کو دیکھ کر مجھے غصہ نہیں آئے گا تو اور کیا ہوگا؟“

افغان بھی بھرا بیٹھا تھا فوراً ہی اس کی برائیاں گنوانے لگا البتہ ماں کے لحاظ میں یہ نہ بتا سکا کہ اسے سب سے زیادہ جڑ سمیچہ پر ہر وقت چھائے رو میٹنگ موڈ سے آتی ہے۔

”یہ کوئی اتنی بڑی باتیں نہیں جن پر اس قدر ناراض ہوا جائے، سمیچہ ابھی کم عمر ہے اور اکلوتی ہونے کی وجہ سے سب کی لاڈلی بھی، وقت کے ساتھ ساتھ اس کا یہ لاپرواہی پن ختم ہو جائے گا۔ اگر تمہیں یہ سب برا لگتا ہے تو کبھی آرام سے بیٹھ کر پیار سے اسے سمجھاؤ، غصے کے بجائے پیار کی بات زیادہ اثر کرتی ہے“ اماں کے مشورے پر افغان سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا، ان سے کیا کہتا کہ اتنی بے نیازی اور غصہ برتنے پر سمیچہ بیگم کا یہ حال تھا اگر جو ذرا سی نرمی اور پیار کی جھلک بھی دکھ جانی تو جانے وہ کیا گل کھلاتی۔

”دیکھو بیٹا!“ سمیچہ اگر محض تمہاری کزن ہوتی تو مجھے اتنی فکر نہیں ہوتی لیکن وہ تمہاری منکوحہ ہے، ابھی سے تم دونوں کے درمیان اتنی جلی ہو گئی تو آگے جا کر کیسے نبھا کر دو گے۔ نکاح کوئی معمولی بندھن نہیں کہ میں تمہارے انداز میں سمیچہ کیلئے ناپسندیدگی دیکھ کر اس رشتے کو ختم کر دوں، پھر یہ مجھے نہیں کہ میں نے زور نہ بددستی سے تمہارا نکاح اس سے کروایا ہو، سمیچہ سے

میری بہت اپنی جگہ لیکن رشتہ جوڑنے سے پہلے بہر حال میں نے تمہاری رضامندی لی تھی“ اماں کی باتیں سن کر افغان کو اس وقت کی سمیچہ یاد آ گئی جب اماں نے اس سے سمیچہ کے بارے میں رائے لی تھی، میٹرک کی طالبہ سمیچہ، کچھ شرمائی شرمائی رہنے والی خاموش طبیعت لڑکی تھی۔ گھریلو امور میں اپنی ہم عمر دیگر لڑکیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ دلچسپی لیتی تھی۔ افغان کو اپنی شریک حیات کے طور پر وہ مناسب لگتی تھی لیکن نکاح کے کچھ عرصے بعد سمیچہ کے رنگ ڈھنگ بدلتے گئے تھے۔ وہ مسلسل اس کوشش میں رہتی تھی کہ کسی طرح افغان کو اپنی طرف متوجہ کر سکے اور افغان اس بات سے بری طرح جڑ جاتا تھا۔

”اماں، آپ بے فکر رہیں۔ میں پہلے بھی اس رشتے پر راضی تھا اور اب بھی مجھے اس سے انکار نہیں ہے، اس گھر میں آپ کی بھانجی کے سوا کوئی دوسری لڑکی میری بیوی بن کر ہرگز نہیں آئے گی۔ لیکن بس آپ ذرا خود ہی اس کی عادتیں سدھار لیں تو بہتر ہے ورنہ بعد میں مجھ سے شکوہ نہیں کیجئے گا۔“ اماں کی باتوں سے افغان کو اندازہ ہوا کہ وہ کن اندیشوں کا شکار ہیں اس لیے انہیں تسلی دیتے ہوئے آخر میں زیر لب مسکراتے ہوئے انہیں چھیڑنے کے لیے بولا۔

”ارے رہنے دو تم اپنی یہ دھمکیاں، میرے ہوتے ہوئے میری بھانجی کو کوئی تیسری نظر سے بھی نہیں دیکھ سکتا“ اماں فوراً ہی جوش میں آ گئیں۔

”یا.... ہمارے گھر میں یقیناً تاریخ کی کوئی مثالی کہانی رقم ہونے والی ہے جس میں ساس اور بہو کے گٹھ جوڑ سے بیچارے مرد پر مظالم ڈھائے جائیں گے“ وہ بیچارگی میں بولا تو اماں ہنسنے لگیں۔ افغان کا بھی یہی مقصد تھا کہ وہ اپنی پریشانی سے نکل آئیں البتہ وہ خود اندر سے پریشان تھا، سمیچہ کیلئے اس کے دل میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ناپسندیدگی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

☆☆☆

”میرے پاس ہے ہی نہیں“ اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

”کوئی مسئلہ نہیں میرے پاس ہیں“ راحیلہ نے جواب دیا اور ایک بھیکتے ہی اسے لھر جا کر سلور رنگ کی پانزیوں کی خوبصورت جوڑی لے آئی۔

”بس اب ٹھیک ہے“ پانزی سمیعہ کے چہروں کی نرسب بننے کے بعد اس نے اطمینان کا اظہار کیا۔ اور پھر مزید ایک دو تعریفی کلمات اس کی تیاری کو سراہنے کیلئے ادا کرنے کے بعد اپنے گھر روانہ ہوئی، اس کے جانے کے بعد وہ امی کے کمرے میں آئی، وہ تیار بیٹھی تھیں۔

چلیں امی؟ اس نے ان سے پوچھا۔

”چلتے ہیں، تمہاری خالہ نے کہلوایا ہے کہ وہ لوگ ہمیں لیتے ہوئے جائیں گے۔ عرقان، سعدیہ، اور بیٹے تو پہلے ہی سے وہاں ہیں۔ اس لیے الگ الگ ٹیکسیاں کر کے جانے سے بہتر ہے کہ ہم سب ایک ساتھ ایک ہی ٹیکسی میں چلیں“ امی نے اسے جواب دیا تو وہ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر انتظار کرنے لگی، پانچ منٹ بعد ہی دروازے پر ہارن سنائی دیا، ساتھ ہی لوکی آواز بھی سنائی دی۔

”سمیعہ، رافعہ آ جاؤ، بھئی افنان گاڑی لے کر آ گیا ہے“ امی اور وہ اس آواز پر باہر نکلیں، دروازے کے سامنے ٹیکسی کے بجائے سفید رنگ کی ایک مہران کھڑی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر افنان بیٹھا تھا۔ سمیعہ کی اس سے نظر ملی تو اندازہ ہوا کہ وہ بغور اسی کی طرف دیکھ رہا ہے، اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ یعنی آج کی تیاری نے اثر دکھایا تھا اور افنان صاحب اس کی طرف متوجہ ہو ہی گئے تھے۔ وہ خوشی سے دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنھالتی امی اور خالہ کے ساتھ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی، ابو گھر کا دروازہ لاک کرنے کے بعد افنان کے ساتھ والی نشست پر آ کر بیٹھ گئے تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”افنان کے دوست کی گاڑی ہے، کہنے لگا کہ کہاں ٹیکسی

تو آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے پتا جائزہ لیا، رائل بلیو جوڑی دار پانچامے کے ساتھ گرے شریا اور گہرے ہی بڑا سا دوشہ اس کے متناسب جسم پر بے حد اٹھ رہا تھا۔ کرتے اور دوپٹے پر رائل بلیو رنگ کے دھاگے اور کٹ دانے سے کیے گئے نازک سے کام نے کپڑوں کی رونق بڑھادی تھی، پھر یہ تھا کہ وہ تیار بھی بیت اہتمام سے دل لگا کر ہونی تھی۔ کانوں میں رائل بلیو رنگوں والی چھوٹی چھوٹی جھمکیاں، ہاتھوں میں گرے اور رائل بلیو میچنگ کی نازک سی کانچ کی چوڑیاں اور چہرے پر قدرے شوخ میک اپ، بال اس نے آگے سے محض پیش لگا کر یوں ہی کھلے چھوڑ دیے تھے، پشت پر لہراتے رہنے والوں نے اس کی تیاری کو چار چاند لگا دیے تھے۔

”اوہو، بڑی تیاریاں کی گئیں ہیں، کتنوں کے ہوش اڑانے کا ارادہ ہے آج؟“ وہ ابھی آئینے کے سامنے ہی کھڑی تھی کہ راحیلہ چلی آئی اور اس کی تیاری کو دیکھتے ہوئے اسے چھیڑا۔

”کتنوں کو جانے دو، یہاں ایک ہی قابو میں آ جائیں تو بہت ہے“ وہ کچھ ناامیدی سے بولی۔

”اچھا تو یہ معاملہ ہے، موصوف تشریف لائے ہوئے ہیں اس لیے تیاری کا یہ عالم ہے“

راحیلہ نے جھٹ اندازہ لگایا تو اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بتانے لگی۔

”کل رات ہی آئے ہیں۔ سعدیہ بھابھی نے خاص طور پر خط لکھ کر اصرار کیا تھا کہ نادیہ کی شادی میں شرکت ضرور کرنی ہے اس لیے جناب دودن کی چھٹی لے کر آ گئے ہیں“

”چلو بھابھی کے بہانے تمہارا ہی بھلا ہو گیا“ راحیلہ نے اسے چھیڑا اور اس کے سراپا کا تنقیدی جائزہ لینے لگی

پانزی کیوں نہیں پہنے، چوڑی دار پانچامے پر تو پانزی بہت اچھے لگتے ہیں“ بالآخر اس نے سمیعہ کی تیاری میں ایک سقم نکال ہی لیا۔

کے چکر میں خوار ہوتے رہیں گے۔ اسی لیے دوست سے اس کی گاڑی لے آیا، گھر کی گاڑی تو عرفان کے پاس ہے۔" خالہ نے ای سے استفسار کے جواب میں تفصیل بتائی۔ اگلی نشست پر بیٹھے ابو نے بھی افغان کے ساتھ کوئی قصہ چھیڑ رکھا تھا۔ سمیعہ کو دونوں طرف ہونے والی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اسے تو اس بات سے بیزاری ہو رہی تھی کہ عین ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے بیٹھنے کی وجہ سے وہ افغان کو بالکل نہیں دیکھ پا رہی تھی۔ بیک ویو مرر بھی ایسے زاویے پر سیٹ تھا کہ اس میں افغان کا عکس قطعی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے راستہ ختم ہوا اور وہ لوگ شادی ہال تک پہنچے، ای اور خالہ تو جھٹ پٹ اتر کر اندر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ابو کو بھی اپنے کوئی جاننے والے دکھائی دیے تو وہ اس طرف لپک گئے۔ سمیعہ نے گاڑی چھوڑنے میں کچھ ست رونی کا مظاہرہ کیا تھا اس لیے وہ جانے والوں میں سب سے پیچھے تھی۔

"سمیعہ! بات سنو، گاڑی سے اتر کر وہ ابھی بمشکل دو قدم ہی چلی تھی کہ افغان نے اسے پکارا۔ سمیعہ کا دل اس پکار پر دھک سے رہ گیا۔ وجود سے سرشاری سی دوڑی کہ چلو اس پتھر میں بھی چونک لگی۔

"یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے تم نے اپنا؟ معلوم بھی ہے کہ مکس گیدر رنگ ہے اور اس کے باوجود اتنا بک سنور کر آگئی ہو" اس کے الفاظ نے سمیعہ کی ساری خوش گمانیوں پر پانی پھیر دیا۔ ادھر وہ اس کی کیفیت سے بے خبر اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔ "ٹھیک ہے تمہارے بال بہت اچھے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی یوں سرعام نمائش کی جائے۔ اور یہ اس گزروں لمبے دوڑے کا کیا مقصد ہے جب اسے ڈھنگ سے اوڑھنے کی بجائے مفکر کی طرح کندھے پر ٹکا لیا جائے۔" اندر جاؤ اور بال باندھ کر ڈھنگ سے دوپٹہ اوڑھو" تنقید کا مرحلہ طے کرنے کے بعد اس نے احکامات جاری کیے تو سمیعہ نے اندر ہی اندر کھولتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔

"اور ہاں سنو، افغان کی پکار پر اسے ایک بار پھر اپنے

قدم روکنے پڑے۔

"اس بیہودہ چیز کو بھی فوراً اتار دو۔ اس کی چمن چمن سے تو نہ متوجہ ہونے والا بھی تمہاری طرف متوجہ ہوگا" اس کا اشارہ سمیعہ کے پیروں میں موجود بازوئوں کی طرف تھا۔ سمیعہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے حقیرانہ لہجہ یہ حکم بھی سنا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اسے ارمانوں سے کی گئی تیاری پر افغان کے اس رد عمل نے اس کے دل کو شدید گھیس لگائی تھی۔

☆☆☆

"سر آپ کا پارسل آیا ہے۔ میں نے آپ کے بیڈروم میں رکھ دیا تھا" افغان کو لگا کہ اسے یہ اطلاع دیتے ہوئے بیٹ مین کے ہونٹ مسکرانے کیلئے مچلے پا رہے ہیں وہ اسے طرح دیتا ہوا اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔ مگر ذہن میں یہ سوال ضرور تھا کہ پارسل کس نے اور کیوں بھیجا۔ بیڈروم میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سائنڈ ٹیبل پر رکھے سرخ گلابوں کے بکے اور خوبصورت پیکنگ میں موجود پارسل پر پڑی۔ بے ساختہ ہی اس نے کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ 14 فروری، یہ نہ تو اس کی تاریخ پیدائش تھی اور نہ ہی کوئی اہم واقعہ اس تاریخ کو اس کی زندگی میں پیش آیا تھا۔ وہ کچھ الجھ سا گیا پھر یکدم ہی اس کے ذہن میں چھما کا سا ہوا 14 فروری، ویلنٹائن ڈے، اب اسے جاننے میں کوئی دقت نہیں تھی کہ یہ سب کس نے اور کیوں بھیجے ہیں۔ پھر بھی اس نے آگے بڑھ کر تصدیق ضرور کی، بکے پر لگے چھوٹا سے وش کارڈ ویلنٹائن ڈے کی مناسبت تھا۔ اندر سمیعہ صاحبہ کا نام لکھا تھا اس نے پارسل پر چڑھا خوبصورت گفٹ پیپر بے دردی سے پھاڑا، اس میں سے پرفیوم کی بوتل نکلی، افغان کا موڈ خراب ہونے لگا، اس وقت دروازے پر دستک دے کر بیٹ مین اندر آیا، وہ حسب معمول شام کی بجائے ٹرالی سجا کر لایا تھا۔

"سر" یہ کیک بھی اس پارسل کے ساتھ ہی آیا تھا" ٹرالی میں رکھے ہارٹ شپ کے کیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے افغان کو مطلع کیا۔ اس وقت بھی اس کے

یہاں پر مل بھر کو اس مسکراہٹ نے اپنی چھب دکھائی تھی جسے دیکھ کر افغان پہلے تو الجھ گیا تھا لیکن اب وہ اس مسکراہٹ کا مفہوم سمجھ سکتا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا خون رگوں میں کھول رہا ہو، یہ کھولن ایسی نہیں تھی کہ وہ خاموشی سے برداشت کر جاتا۔ بیٹ مین کو باہر جانے کا اشارہ کرتے اس کے ہاتھ نیلی فون سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

”سمیعہ، افغان کا فون ہے تمہارے لیے“ امی کی اس اطلاع پر اس کا دل بے طرح دھڑکا۔ راحیلہ کے مشورے پر کوریٹر سروس سے افغان کو ویلنٹائن ڈے وٹ کرنے کیلئے تحائف تو بھیج دیے تھے لیکن صبح سے جے جی کی جلی کی پورے گھر میں بے چین پھر رہی تھی۔ یاد یہ کی شادی والے دن افغان نے جو سلوک کیا تھا اس کے بعد وہ شاید ایسی کوئی جرات ہرگز نہ کر پائی لیکن راحیلہ اور اس کی دوسری دوستوں نے اس سارے قصے کو سن کر کہا ”بیوقوف! یہ تو افغان بھائی کی تم سے محبت کا ثبوت ہے، مرد جس لڑکی سے محبت کرتے ہیں اس کے بارے میں بہت پوزیسو ہوئے ہیں۔ افغان بھائی کو اچھا نہیں لگا ہوگا کہ کوئی اور تمہارے ہوش ربا روپ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں سینکے اس لیے انہوں نے تمہیں ڈانٹا، لیکن تم تو اپنی احمق ہو کہ محبت کے اس انداز کو سمجھتی ہی نہیں، بس ہر وقت شکوے کرتی رہتی ہو“ سمیعہ کو یہ باتیں سن کر لگا کہ واقعی اس نے غلطی اس کی تھی۔ اس لیے جب فروری کے مہینے کی آمد کے ساتھ اسے افغان کو ویلنٹائن ڈے وٹ کرنے کا مشورہ ملنے شروع ہوئے تو وہ ڈرتے ڈرتے ہی سہی اس مشورے پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو گئیں۔

پرفیوم ایک دوست نے اپنے بڑے بھائی سے منگوا کر دیا کہ وہ لوگ خود تو اس معاملے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتی تھیں۔ بچے اور کیک کا آرڈر وہ، راحیلہ کے ساتھ جاکر اس مشہور کوریٹر سروس کی کینڈاگ کو دیکھ کر دے آئی جس سے پرفیوم بھجوا یا جا رہا تھا۔ ایک رومینک نظم یا

غزل والے وٹس کارڈ کے آئیڈیے پر البتہ وہ دوستوں کے تمام تر اصرار کے باوجود عمل نہیں کر سکی تھی۔ اور اب رد عمل میں افغان کا فون آ گیا تھا تو اس کے پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ نکاح کے بعد جو عرصہ گزر رہا تھا اس میں بطور خاص افغان نے بھی اسے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ حالانکہ گھر والوں کی طرف سے کوئی پابندی بھی نہیں تھی۔ کبھی کبھار اگر وہ اتفاق سے کال ریسیو کر لیتی تو افغان مختصر سلام دعا اور حال احوال پوچھ لیتا تھا لیکن اب جو یہ خصوصی کال آئی تھی وہ اسے کسی امتحان کے نتیجے کی مانند لگ رہی تھی بلکہ امتحان کے نتیجے کے بارے میں تو پھر بھی بندہ کچھ نہ کچھ اندازہ قائم کر سکتا تھا لیکن افغان کے رد عمل کے بارے میں وہ سوائے خوش گمانی پالنے کے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی تھی۔

”السلام علیکم!“ ریسورکان سے لگا کر وہ بہت دھیمی آواز میں ماؤتھ ٹیس میں بولی تھی۔

”وعلیکم السلام!“ یہ کیا تماشا رچایا جا رہا ہے؟“ جواباً ریسور میں تیز، غصے سے بھرپور آواز گونجی۔ افغان کے غصے کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگا یا جاسکتا تھا کہ اس نے سلام کا جواب بھی عمل دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔

”اتنا آگورڈ فیل کیا میں نے اپنے بیٹ مین کے سامنے۔ آخر تم اپنی اس سستی جذباتیت سے نکل کیوں نہیں آتیں؟“ اس کی طرف سے کوئی جواب سے بھرپور اس پر برس رہا تھا۔

”آگورڈ فیل کرنے کی بات ہے، وہ سب آپ کا آپ کی کسی گرل فرینڈ نے تو نہیں بھیجا تھا۔ منکوحہ ہوں میں آپ کی“ افغان کی ڈانٹ سن کر اسے غصہ ہی تو آ گیا اس لیے جھپٹا کر بولی۔ ایک تو اسے وہ سب بھولانے میں اس کی کئی ماہ کی جمع شدہ پاکٹ منی ٹھکانے لگ گئی تھی اور اس پر موصوف کے خڑے ہی نہیں مل رہے تھے۔

”منکوحہ ہو تو کیا تمہیں ہرانا سیدھا کام کرنے کا پرمٹ مل گیا ہے؟ دین، دنیا کی کچھ عقل سمجھ نہیں، چلی

ہیں کافروں کی نقالی میں ویلنٹائن ڈے منانے، اگر ہر وقت ڈی وی کے سامنے بیٹھ کر الٹے سیدھے چینلز پر دکھائے جانے والے گمراہ کن فلمیں، ڈرامے اور شوز دیکھنے کے بجائے کبھی بیٹھ کر قرآن، حدیث کا مطالعہ کر لو تو تمہاری بگڑی عادتیں سدھر جائیں۔ وہ حسب عادت طعنے بازی پر اتر آیا تھا۔

”ٹھیک ہے میں ہوں گمراہ اور بے دین، آپ اپنے لیے کوئی اچھی سی دین دار لہر کی تلاش میں خالہ کو بتا دوں گی کہ آپ کو میرا ساتھ قبول نہیں“ رندھی ہوئی آواز میں افنان کو جواب دے کر اس نے جھٹکے سے فون بند کر دیا اور اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ دل بری طرح دکھا تھا سوچنے میں سر دیے بڑی دیر تک چبکوں پھکوں روٹی رہی۔

☆☆☆

”میں خالہ کو بتا دوں گی کہ آپ کو میرا ساتھ قبول نہیں“ سمیعہ کی یہ بات فوری طور پر تو اس پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی کہ اس وقت غصے کی شدت تھی لیکن اب وہ پریشان ہو رہا تھا کہ واقعی اگر اس نے اپنے کبے پر عمل کر ڈالا تو اماں کا سامنا کیسے کریگا۔ ابھی بہت زیادہ طویل عرصہ تو نہیں گزرا تھا اماں کے ساتھ اس گفتگو کو ہوئے جس میں انہوں نے اسے سمیعہ کے ساتھ سلوک کے حوالے سے ٹوکا تھا۔ اس وقت اس نے واضح طور پر اماں کو یہ یقین دہانی کروائی تھی کہ اسے اپنے اور سمیعہ کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ ایسے میں اگر اس کی طرف سے یہ بات یہ زبان سمیعہ اماں تک پہنچتی کہ اسے سمیعہ کا ساتھ قبول نہیں تو اماں کو بہت دکھ پہنچتا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ افنان جانتا تھا کہ اماں اپنی لاڈلی بھانجی کے بیان پر یقین کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگائے گی۔ اور نتیجہ اسے اماں سے ملنے والے نصیحتوں بھرے لیکچر کے علاوہ کچھ نہیں نکلے گا۔ پھر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تھی کہ اسے بطور شریک حیات سمیعہ کی ذات پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ بس وہ یہ چاہتا تھا کہ سمیعہ اپنے طور اظہار میں تھوڑی سی تبدیلی لے آئے۔ خوب سوچ

بچار کے بعد اس نے سمیعہ کو دوبارہ فون کرنے کا فیصلہ کیا۔ نمبر ملا تے ہوئے وہ مسلسل یہ دعا کرتا رہا کہ فون سمیعہ ہی اٹھائے۔ خالہ سے اسے جھجک محسوس ہو رہی تھی کہ اگر انہوں نے فون اٹھایا تو کیا سوچیں گی کہ یہ ایک ہی دن میں چند گھنٹوں کے وقفے سے اسے دوبارہ فون کرنے کی کیا سوچھی۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور دوسری طرف سے سمیعہ کی مدھم سی ”ہیلو“ سنائی دی۔

”ہیلو سمیعہ، میں افنان بول رہا ہوں، سوری یار میں تم سے کچھ سخت لہجے میں بات کر گیا، تمہیں تو معلوم ہے کہ مجھے ان فضول قسم کے رسم و رواج سے کتنی چڑ ہے اس لیے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن پلیز تم اماں سے کوئی الٹی سیدھی بات مت کرنا اور ہاں آئندہ ایسی کوئی غلطی بھی نہ کرنا“ اس نے جلدی جلدی اپنی بابت کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ دوسری طرف سمیعہ گنگ تھی کہ اسے کیا سمجھے۔ عجیب حکمیہ سی معذرت تھی، شاید اس کی دھمکی کی وجہ سے مجبوری کے تحت کی گئی تھی۔ بہر حال جو بھی تھا سمیعہ اپنی اس دھمکی پر عمل پیرا ہونے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ ایک طرف افنان کی محبت تھی تو دوسری طرف ایسی احمق بھتی نہیں تھی کہ نکاح جیسے بندھن کی اہمیت کو نہ سمجھتی کہ یوں پل بھر میں اسے ختم کرنے کا مطالبہ کر ڈالتی

☆☆☆

معمولی تبدیلیوں کے ساتھ وقت اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ سمیعہ کا فوریہ ایئر شروع ہو گیا تھا۔ افنان کے بارے میں سنا تھا کہ ایبٹ آباد پوسٹنگ ہونے والی ہے۔ سعدیہ بھابھی کے ہاں تیسرے بچے کی آمد آمد تھی۔ پھر ایک دن انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروانے کا مرحلہ بھی آپہنچا۔ غفران اور عدنان اس عرصہ میں سمیعہ کی ذمہ داری بن گئے۔ امی، خالہ کی مددگار بنی ہاسپٹل میں ان کے ساتھ ہی ہوئیں۔ عرفان گھر، ہاسپٹل اور آفس کے درمیان گھن چکر بنے رہتے، دو بیٹوں کے بعد ملنے والی بیٹی کی خوشی البتہ اس سارے اپ سیٹ معمول پر حاوی تھی اس لیے ہر فرد بخوشی اپنے حصے کی ذمہ داریاں ادا کر رہا تھا۔ سمیعہ بھی

”میرا خیال ہے تم واپس اپنے گھر چلی جاؤ، یوں تنہا ہم لوگوں کا ایک جگہ.....“

اس نے اپنا جملہ ادھر اور اچھوڑ دیا تھا۔ سمیعہ کے ہونٹوں پر طریری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

پوری ذمہ داری سے اس نے جسے کے کام انجام دے رہی تھی۔ آج بھی اس نے صبح اٹھ کر بچوں کو ناشتہ کروا کر اور انہیں تیار کر کے اسکول بھیج دیا تھا۔ ابو اور عرفان بھائی کے ناشتے کے ساتھ ساتھ ہاسپٹل لے جانے کیلئے بھی تیار کیا تھا اور پھر پھر مری سے گھر کی صفائی سہرائی کے ساتھ، دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے کے بعد خالہ کے گھر جانے کیلئے تیار تھی۔ شنیدھی کہ آج سعدیہ بھابھی کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا جائے گا اس لیے وہ چاہتی تھی کہ ان لوگوں کے آنے سے قبل خالہ کے گھر کی صفائی بھی اچھی طرح کر دے۔ بچوں کے اسکول سے واپس لوٹنے میں ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ اس عرصے میں وہ اپنا کام با آسانی نمٹا سکتی تھی۔ چنانچہ خالہ کے گھر کی چابیاں لے کر اسکے گھر کو بند کر کے وہاں جا پہنچی۔ صفائی کا آغاز اس نے سعدیہ بھابھی کے کمرے سے کیا تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ رہی رہی تھی کہ ڈور بیل بجنے لگی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے افنان کھڑا تھا۔ اس کے دروازہ کھولنے پر وہ اندر چلا آیا۔

سمیعہ نے پلٹ کر ایک بار پھر اپنا کام شروع کر دیا۔ اس وقت وہ افنان کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ ”گھر میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے؟“ افنان نے گھر میں پھیلے ہوئے سنائے کو محسوس کر کے اس سے پوچھا۔

”بچے اسکول اور باقی لوگ ہاسپٹل میں ہیں۔ کیا آپ کو عرفان بھائی کی بیٹی کی اطلاع نہیں ملی؟“ افنان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے اس سے پوچھا۔ ”وہ تو کل ہی عرفان بھائی نے فون پر مجھے بتا دیا تھا۔ آج آیا بھی میں اسی وجہ سے ہوں ورنہ اس وقت چھٹی ملنا کوئی آسان بات نہیں تھی“ اس نے سمیعہ کی بات کا جواب دیا لیکن انداز سے صاف ظاہر تھا کہ کسی الجھن کا شکار تھی۔ آخر اس کی یہ الجھن زبان پر آ ہی گئی۔ وہ قدرے جھکتے ہوئے سمیعہ سے بولا۔

”کیوں؟“ کیا ڈر لگ رہا ہے مجھ سے؟

”بات ڈرنے کی نہیں احتیاط کی ہے۔ اصولاً تو ہمیں خود ایک لڑکی ہونے کے ناطے اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا کہ تنہائی میں ایک مرد کے ساتھ رہنے کے بجائے فوراً یہاں سے چلی جائیں اور آپ جب میں احساس دلا رہا ہوں تو میری بات کو سنجیدگی سے لینے کے بجائے میرا مزاق اڑا رہی ہو“ افنان اس کے انداز پر حسب توقع تپ گیا تھا لیکن اس نے اثر نہیں لیا، کئی ماہ گزر جانے کے باوجود ابھی ویلنٹائن ڈے پر ہونے والی اپنی بے عزتی کا کلم دل سے مٹا نہیں تھا اس لیے وہ افنان کے ساتھ بہت سچی سے پیش آ رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کی بات سن کر مٹی سے بولی۔

”اتنی احتیاط تو تب کروں نا جب مجھے آپ کے مرد ہونے کا احساس ہو“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ افنان کے چہرے پر سہمی چھا گئی۔

”جو آپ کا دل چاہے سمجھیں“ سمیعہ نے یہ کچھ بغیر کہ وہ افنان کی انا کو چھوڑ بیٹھی ہے بے نیازی سے شائے اچکائے۔ اس کے ذہن میں تو فقط یہی بات تھی کہ لڑکے اپنے منگیتر یا منکوحہ وغیرہ کو جو اس کی توجہ دیتے ہیں، رد میں تنگ جملے بولتے ہیں یا موقع پا کر کوئی چھوٹی موٹی شرارت کر جاتے ہیں افنان نے اسے ان خوشیوں سے قطعی محروم کر رکھا تھا۔ ”میں خود کچھ سمجھنے کے بجائے تمہیں سمجھا دوں تو زیادہ بہتر ہوگا“ افنان نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کا لہجہ جنونی اور آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ سمیعہ کو بھی خوف سا محسوس ہوا لیکن اپنی اکڑ کو قائم رکھتے ہوئے بولی۔

”جھوڑیں میرا ہاتھ جنگلی نہ ہوں تو“

”جنگلی کسے کہتے ہیں یہ بھی تم آج جان جاؤ گی“ افنان

اس نے فون اٹھایا تو کئی لمحے کے بعد سمیعہ کی مدد سے فنان بول رہا ہوں، سمیعہ کی بات کر گیا، سمیعہ کے رسم و رواج سے کتنی پلیر تم اماں سے کوئی آئندہ ایسی کوئی غلطی کی اپنی بات کہہ کر فنان جھگڑ گئی کہ اسے کچھ بھی، شاید اس کی دھمکی نہ تھی۔ بہر حال جو بھی فنان نے کی ہمت نہیں رہی تو دوسری طرف ایک بندھن کی اہمیت کو سمجھنے کا مطالبہ کر ڈالتی

☆

اتھ وقت اپنی مخصوص کا فورتحہ لیتے شروع ہوا تھا کہ ایبٹ آباد پوسٹ کے ہاں تیسرے میں ہاسپٹل میں ایبٹان۔ غفران اور عدنان بن گئے۔ امی، خالہ، مائیکہ بی ہوتیں۔ عورتیں ان میں چکر بے رستی کی خوشی البتہ فنان بھی اس لیے ہر دھڑکے پر ہاتھ پکڑتا تھا۔ سمیعہ

کا جنون ہر لمحے بڑھتا جا رہا تھا۔ سمیچہ کو اس جنون کی شدت کا اندازہ اس وقت ہوا جب وہ ایک کمزور چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر بے بس ہو گئی۔ اس پل اس نے جانا کہ کسی مرد کی مردانگی کو ثابت کرنے کے جنون میں اپنا انسان ہونا فراموش کر بیٹھتا ہے۔

☆☆☆

”ان گھٹنوں کے درد نے تو مت ہی مار دی ہے۔ اب ایسا بھی بڑھاپا نہیں کہ گھر کے چار کام کرنے جوگی بھی نہ ہوں لیکن یہ درد کچھ کرنے ہی نہیں دیتا“ اماں سبزیوں کی نوکری اٹھائے تخت پر براجمان ہوتے ہوئے بڑبڑانے کے انداز میں بولیں۔ افنان اسی تخت کے ایک کنارے پر گاؤں بچے کے سہارے نیم دراز آسمان پر اڑتی چیلوں کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ سمیچہ نے اور میری عادتیں خراب کر دی ہیں۔ دن میں کتنی کام بن کہے چپکے سے کر جاتی ہے۔ اب جو وہ کل سے بخار میں پڑی ہے تو مانو مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا۔ سعدیہ بیچاری کو خود ابھی دیکھ بھال اور توجہ کی ضرورت ہے۔ مجھ سے گھر کے کام سچ طرح نمٹتے تو اس کے کیا خاک کام کروں۔ اماں سبزی کاٹی ہوئی مسلسل بول رہی تھیں۔ مخاطب یقیناً افنان ہی تھا جس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

”تم کیا چیل کووں کی کتنی کرنے کیلئے یہاں آئے ہو؟“ اماں نے اپنی باتوں کے جواب میں اس کی خاموشی پر جھنجھلا کر اسے ٹوکا تو اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر ان کی طرف دیکھا۔ اماں کو اس کی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی نظر آئی اس لیے کچھ فکر مندی سے لہجہ کو نرم کرتے ہوئے پوچھنے لگیں

”کیا بات ہے افنان بیٹا طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ اماں آپ سمیچہ کو رخصت کروا کر یہاں لے آئیں“ اپنی بات کے جواب میں افنان کا یہ جملہ اماں کو بہت عجیب لگا مگر پھر بھی جس کو بولیں۔

اب اتنا بھی نہیں گھبرا گئی ہوں میں گھر کے کاموں سے

”آج شام میں واپس چلا جاؤں گا، چند دن بعد میری ایبٹ آباد پوسٹنگ ہو جائے گی۔ پوسٹنگ سے پہلے مجھے ایک ہفتہ چھٹی ملے گی۔ آپ خالہ سے بات کر کے ان چھٹیوں میں رخصتی کی تاریخ طے کر لیں“ وہ اماں کے جواب سے بے نیاز اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔

”دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تمہارا، ایسے گھر سے گھر سے چند دن کے نوٹس پر کون لڑکی رخصت کرنے کو تیار ہو جاتا ہے؟ پھر یہ تو نکاح کے وقت ہی طے ہو گیا تھا کہ رخصتی سمیچہ کے بی۔ اے کرنے کے بعد ہوگی۔ اب میں یوں اچانک رخصتی کا مطالبہ لے کر وہاں کیسے پہنچ جاؤں گا؟“

اماں نے ناراضگی سے اسے جواب دیا۔

”بی اے یہاں رہ کر بھی مکمل کیا جاسکتا ہے، ویسے بھی وہ پرائیویٹ ہی تو پڑھ رہی ہے“ افنان اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔

”افنان کیا ہو گیا ہے بیٹا! اتنی جلدی کیوں بھا رہے ہو۔ اسی سال کی تو بات ہے، یہاں اتنا عرصہ گزارا ہے وہاں یہ سال بھر گزرنے میں کوئی دیر لگے گی؟ اماں درحقیقت اس کی ضد پر اب کچھ پریشان سی ہو چلی تھیں۔

”آپ سمجھتی کیوں نہیں اماں؟ اگر آپ نے میری بات نہیں مانی تو سچ سچ بہت دیر ہو جائے گی“ وہ مضطرب سا ہو کر تخت سے کھڑا ہوا، اماں کا دل کسی انہوں کے احساس سے بری طرح دھڑکا۔

”آپ رافعہ خالہ سے بات کریں اور انہیں سمجھائیں کہ میں فوری طور پر رخصتی چاہتا ہوں، خود سمیچہ کو بھی یقیناً میرے اس فیصلے پر اعتراض نہیں ہوگا وہ اپنی بات کہہ کر تیز تیز قدموں سے چلتا گھر سے باہر نکل گیا۔ اماں سینے پر ہاتھ رکھے کم صم سی بیٹھی رہیں۔ افنان کے پیچھے کھلا رہ جانے والا بیرونی دروازہ پاگل ہوا کی ٹھوکروں سے بری طرح دھڑ دھڑا رہا تھا۔ اماں نے اٹھ کر دروازے کی کنڈی لگائی، منہ زور ہوا کی زد میں

دروازے کا شور مچا رہا تھا۔ کنڈی لگا کر واپس تخت کی طرف پلٹی، اماں افغان کے مطالبے کو پورا کرنے کے بارے میں غور و خوض کرنے لگیں۔ ان کی جہاندیدہ لگا ہوں نے بین السطور لکھا پڑھ لیا تھا۔ افغان کی مصطفیٰ خاموشی، سمیعہ کی بیماری بہت کچھ تھا جس سے وہ پس پردہ منظر کو بھی اخذ کر سکتی تھیں۔ اب یہ سب انہیں اپنی بہن کو بھی سمجھانا تھا کہ تلافی کی واحد صورت جو افغان انہیں بتا گیا تھا، اختیار کی جاسکتی۔

☆☆☆

”واہ، بھئی بڑے چھپے رستم نکلے یہ افغان بھائی بھی، کہاں تو اتنی بے نیازی تھی اور کہاں بے قراری کا یہ عالم ہے کہ پندرہ دن کے نوٹس پر رخصتی مانگ لی“ راحیلہ کے گھر سمیعہ کی شادی کی تاریخ طے ہونے کی خبر پہنچی تو وہ فوراً ہی دوڑی آئی۔ ”سنا ہے ان کی پوسٹنگ ایبٹ آباد ہونے والی ہے، واہ بھئی کیا عقلمند آدمی ہیں اپنی بیٹی کو من کیلئے الگ سے خرچہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بیاہ کر تمہیں سیدھے ایبٹ آباد لے جائینگے۔ راحیلہ بہت شوخی سے بول رہی تھی لیکن سمیعہ میں تو جواباً مسکراتے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

”رافعہ آنٹی، میں نے بتا دیا ہے آج سے شادی کے دن تک ہر روز آپ کے آنگن میں ڈھولکی بجے گی، میں نے ساری دوستوں کو خبر کر دی ہے وہ سب بھی بے قرار ہیں ہمیں سمیعہ کی شادی میں بلہ گلہ کرنے کیلئے“ اسی وقت رافعہ وہاں چلی آئیں تو راحیلہ کی توجہ سمیعہ سے ہٹ کر ان کی طرف ہو گئی۔ ”جو تم لوگوں کا جی چاہے کرنا“ رافعہ نے سمجھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ راحیلہ کو اجازت دی اور سمیعہ کے زرد ویران چہرے کو دیکھنے لگیں۔ بڑی بہن نے دبی زبان میں جو بات انہیں سمجھا کر رخصتی کا مطالبہ کیا تھا، وہ سمیعہ کے چہرے کے زردی سے بہت واضح طور پر بھیجی جاسکتی تھی۔ رافعہ ایک سر دی آہ بھر کر رہ گئیں۔ کیا ہوا تھا؟ کیوں ہوا تھا؟ غلطی کس کی تھی؟ وہ کوئی ایک بھی سوال بیٹی سے پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں

سمیعہ کے ابو کو اس ایمر جنسی شادی کیلئے قائل کرنے کیلئے بچائی تھیں۔ وہ بہت مشکل سے اس بات پر راضی ہوئے تھے کہ افغان سمیعہ کو اپنے ساتھ ہی ایبٹ آباد لے جانے پر ہند ہے۔ نکاح شدہ بیٹی کی رخصتی سے انکار پر زیادہ اصرار بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن انہیں اس بات کا بے حد دکھ تھا کہ اگلوئی بیٹی کی شادی اس غلت کی بنا پر اس انداز میں نہیں کر پاد ہے جس کا انہوں نے خواب دیکھا تھا۔ دکھ رافعہ کو بھی تھا لیکن عزت کی حفاظت کا جذبہ خواہشوں کی تکمیل پر غالب آ گیا تھا۔ وہ بہت ضبط اور وضع داری سے بیٹی کو رخصت کرنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

”تمہارے ابو جی روئے دے گئے تھے کہ تمہیں تمہاری پسند کے کپڑے اور بندھنیں وغیرہ دلا کر لے آؤں۔ تم تیار ہو جاؤ تو آدھے گھنٹے بعد گھر سے نکل جائینگے۔“ راحیلہ کو جواب دے کر وہ سمیعہ سے مخاطب ہوئیں تو ان کے چہرے سے وہ پھسکی سی مسکراہٹ بھی غائب ہو چکی تھی۔

”میرے سر میں درد ہے، میں نہیں جاسکتی آپ راحیلہ کو ساتھ لے جائیں“ سمیعہ نے جھکی نظروں کے ساتھ انکار کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

”میں چلتی ہوں آنٹی! سمیعہ کی تو واقعی ایسی حالت نہیں کہ مارکیٹ میں زیادہ گھوم پھر سکے۔ دو دن کے بھار نے اسے بری طرح نڈھال کر دیا ہے۔ اچھا ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ آرام کر لے تاکہ شادی تک بالکل فریش ہو جائے گی۔“ راحیلہ نے فوراً ہی سمیعہ کے مشورے کی تائید کرتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ”ٹھیک ہے تم ہی ساتھ چلو، ویسے بھی تم دونوں کو ایک دوسرے کی پسند کا اندازہ ہے“ رافعہ منظوری دیتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

”میں تیار ہو کر اور امی کو بتا کر ابھی آتی ہوں“ راحیلہ بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد سمیعہ نے نڈھال ہو کر نیکے سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ امی کے انداز میں

اس کیلئے جو بے گانگی تھی وہ اسے ادھ موایے دے رہی تھی۔ جب وہ سامنے آتی تھیں تو کتنا دل چاہتا تھا کہ ان کے سنے پر سر رکھ کر اپنے اندر کی ساری محنت اور دکھ بہا ڈالے لیکن ان کی نظروں میں جو شکوہ تھا وہ اسے اپنے آپ میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ بے بسی کی اس انتہا پر اس کے دل میں موجود افنان سعید کیلئے نفرت کا جذبہ ہرگز رتے دن کے ساتھ تر ہوتا جا رہا تھا، وہی تو تھا جس نے اسے اپنے پیاروں کی نظر میں مجرم بنا دیا تھا۔

☆☆☆

رخصتی کے بعد اولین شب اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے افنان کچھ گھبرایا اور شرمندگی میں مبتلا تھا۔ سمیعہ سے اس ہولناک دن کے بعد آج پہلی بار سامنا ہونے جا رہا تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ اس کا کیا رد عمل ہوگا۔ رد عمل کمرے میں قدم رکھتے ہی سامنے آ گیا۔ ادھر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھائی ادھر سمیعہ بیگم نے اپنی جگہ چھوڑی۔ جھومر، ٹیکا، نتھ، گلوبند سب کھٹا کھٹ ڈریسنگ ٹیبل پر ڈھیر ہونے لگے۔ افنان کا تو گویا وجود ہی اس کمرے میں نہیں تھا۔ افنان نے ہی ہمت کر کے گفتگو کا آغاز کیا۔

”اس دن جو کچھ ہوا اس کیلئے میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ اگرچہ غلطی تمہاری ہی تھی، تمہاری باتوں نے میری مردانہ انا کو افسوسناک کیا لیکن بہر حال میں نادیم ہوں، اپنی اس غلطی کی تلافی کیلئے یوں فنافٹ رخصتی کا انتظام کیا ہے۔ بہت سے معاملات میں دنیا کے اصولوں کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے کہ بدنامی نہ ہو ورنہ شرعاً تو مجھ پر کوئی حد لگاؤ نہیں ہوتی“ وہی مغرورانہ سی معذرت تھی جس سے ہمیشہ سمیعہ کو چڑ رہی تھی اور اس وقت تو وہ گویا سے سے پیر تک جھلس اٹھی تھی۔

”بند کریں یہ شریعت کا ذکر، بہت دیکھ رکھا ہے آپ کے نماز، روزے، تلاوت اور قرأت کو، ان چیزوں سے دھوکا وہ کھائیں جنہوں نے آپ کا اصل روپ نہ دیکھ رکھا ہو، دنیا چاہے آپ کو کتنا ہی پارسا سمجھے لیکن میں تو

آپ کو آپ کے اصل بھیا نک روپ میں دیکھ چکی ہوں“ وہ بری طرح پھنکاری۔

”تم میری پارسانی پر ہرگز بھی الزام نہیں لگا سکتیں، دنیا کا کوئی قانون یا شریعت اپنی منکوہ بیوی کیلئے مجھ پر الزام نہیں لگا سکتا“ افنان تن کر کھڑا ہوا ”اچھا تو اس وقت آپ کو یہ بات یاد تھی کہ میں آپ کی منکوہ ہوں؟ سمیعہ نے طنز سے پوچھا۔ افنان ٹھٹھک سا گیا۔

”نہیں افنان سعید صاحب۔ آپ کو اس وقت یہ بات ہرگز بھی یاد نہیں تھی، آپ نے جس جنون میں میرے ساتھ وہ سلوک کیا وہ آپ کو جائز اور ناجائز میں فرق دکھا ہی نہیں سکتا۔ آپ نے جو کچھ کہا فقط اپنی انا کی تسکین کیلئے اور اپنی انا کی تسکین کے لیے کسی عورت کو پامال کرنے والا شخص ہرگز بھی پارسا کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ خواہ پامال ہونے والی وہ عورت اس کی جائز قانونی و شرعی بیوی ہی کیوں نہ ہو“

سمیعہ نے گویا اسے آئینہ دکھایا تھا، افنان جہاں کا تھاں کھڑا رہ گیا۔ سمیعہ پلٹ کر ہاتھوں سرخ و سنہری کانچ کی چوڑیاں بے دردی سے اتار اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر ڈھیر کر رہی۔ افنان سمیعہ کے تیوروں سے اپنی آئندہ زندگی کا نقشہ بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

☆☆☆

”یہ کیا سن رہی ہوں میں“ تم سمیعہ کو اپنے ساتھ ایبٹ آباد نہیں لے جا رہے؟ وہ اپنے کپڑے بیگ میں ٹھونس رہا تھا کہ اماں بگڑے تیوروں کے ساتھ چلی آئیں۔

”آپ سنی سنائی کی تصحیح کر لیں، مجھے سمیعہ کو ایبٹ آباد ساتھ لے جانے سے انکار نہیں وہ خود ہی میرے ساتھ نہیں جانا چاہتی افنان نے اپنے کام کو جاری رکھتے ہوئے جواب دیا تو اماں اس کا جائزہ لینے لگیں۔ کہیں بھی تو چہرے پر اس رنگ کی جھلک نہیں تھی جوئی زندگی شروع کرنے والے فرد کی خوشی کی ترجمانی کرتا ہے“ انہوں نے سمیعہ کو آواز دی۔

”جی خالہ“ وہ سعدیہ بھابھی کی بیٹی کو گود میں اٹھائے

چلی آئی۔ انہوں نے اس کا جائزہ لیا، سوئی کلائیاں،
 ایک آپ سے مبرا چہرہ، کاشن کا عام سیا سوٹ وہ نہیں
 سے بھی تو چند دن کی بیاہتا نہیں لگ رہی تھی۔
 ”کچھ بہن اوڑھ کر، سچ سنور کر رہا کرو بیٹا، یہ کیا اجاڑ
 صورت بنا کر گھومتی رہتی ہو۔“ وہ اصل معاملہ بھول کر
 اس کے حلیے پر ٹوکنے لگیں۔

”افنان کو میں ایسے ہی ٹھیک لگتی ہوں خالہ، نادیہ کی
 شادی پر آپ کو یاد ہوگا کہ میں نادیہ کی شادی پر بہت بن
 سنور کر گئی تھی۔ اس وقت افنان نے مجھے بہت ڈانٹا
 تھا۔ اس دن کے بعد سے میں نے توبہ کر لی تھی کہ آئندہ
 ایسا کچھ نہیں کرنا“ وہ بہت اطمینان سے اپنے حلیے کی
 وضاحت دے رہی تھی۔

”اس کا تو دماغ خراب ہے، تمہیں کوئی ضرورت نہیں
 اس کی باتوں میں آکر اپنا حلیہ خراب کرنے کی۔“
 انہوں نے افنان کو گھورتے ہوئے اسے حکم دیا اور پھر
 اصل موضوع کی طرف آئیں۔

”یہ تم افنان کے ساتھ جانے کیوں انکاری ہو؟

”میں وہاں اکیلی کیسے رہوں گی۔ یہ دن بھر باہر رہنے لگے۔
 اور میں تنہا خوار ہوتی رہوں گی۔ ویسے بھی میرا سب کے
 بغیر دل نہیں لگے گا۔“ بڑی نرمی اور لاڈ سے اماں سے
 بات کر لی سمیعہ کو دیکھ کر افنان کو اس کا کل رات کا لہجہ
 یاد آ گیا۔ افنان کے ایبٹ آباد جانے کیلئے سامان پیک
 کرنے کی بات سن کر وہ کس جی سے بولی تھی۔

”میں نے یہ ایک ہفتہ آپ کے ساتھ ایک چھت تلے
 کیسے گزارا میں جانتی ہوں مگر اب آپ کے ساتھ ایبٹ
 آباد جا کر اپنی برداشت کو مزید نہیں آزما سکتی۔

”اگرے کیسے نہیں لگے گا دل؟ میاں بیوی کے رشتے کی
 بات ہی الگ ہے، ساری دنیا کو چھوڑ کر میاں بیوی کا
 گھر ایک دوسرے کے ساتھ دل لگا ہو تو دنیا کے کسی بھی
 حصے میں رہ سکتے ہیں۔“

”آپ کا انداز کچھ جتانے والا تھا لیکن وہ سمجھنے کیلئے تیار نہیں
 تھی۔“

”آپ کچھ بھی کہیں خالہ، میں نہیں جانے والی اس

دیرانے میں۔“

”ارے دیرانہ کیسا، ایبٹ آباد جیسا خوبصورت شہر،
 لوگ جائیں تو اس کی خوبصورتی میں کھو کر واپس پلٹنے کو
 مشکل سے تیار ہوتے ہیں۔ تم نے اسے دیرانے کا
 خطاب دے دیا“ انہوں نے اسے ڈانٹا

”آپ کے بغیر تو وہ مجھے دیرانہ ہی لگے گا۔ لیکن خالہ
 میں دیکھ رہی ہوں آپ تو شادی کے بعد بالکل ساس
 بنتی جا رہی ہیں۔ کتنے آرام سے مجھے خود سے الگ
 کرنے کی کوشش کیے جا رہی ہیں۔“

وہ آخری حربے کے طور پر آنکھوں میں آنسو بھر لائی
 تھی۔ افنان جانتا تھا کہ یہ حربہ کارگر ثابت ہوگا۔ اس
 لیے اماں کا جواب سنے بغیر ہی بیگ کی زپ بند کر کے
 بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل
 گیا۔ وقت رخصت سمیعہ کی فاتحانہ نظریں البتہ ضرور
 اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر گئی تھیں۔

☆☆☆

افنان کے جانے کے بعد زندگی میں سوت سا طاری
 ہو گیا تھا۔ وہ جو اس کو دیکھ کر اپنی بے بسی اور بھجوری کے
 احساس سے خون کھولتا تھا اب وہ کیفیت بھی نہیں تھی۔
 بس ہر روز صبح اٹھ کر سعدیہ بھابھی کے ساتھ کسی معمول
 کی طرح گھر کے کاموں میں مصروف ہو جاتی۔ ان کی
 طرف بھی کم ہی جانا ہوتا کہ ان کی نگاہوں کا شکوہ اب
 بھی قائم تھا اور وہ جو اپنے تئیں خود کو بے قصور ہی سمجھتی
 تھی۔ اس شکوے کو محسوس کر کے جل جل جاتی۔ اگر ابو کا
 اصرار نہ ہوتا تو وہ یہ کم کم جانا بھی ترک کر دیتی البتہ یوں
 بھی اس کم بہت محسوس کرتے تھے۔ پھر بھی انہوں نے
 اسے افنان کے ساتھ نہ جانے پر ٹوکا ضرور تھا۔ وہ انہیں
 بھی خالہ کے سامنے بنائے گئے بہانوں کے ساتھ مال
 گئی تھی لیکن خود اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب زندگی
 کا چلن کیا ہوگا۔ اس کی نفرت اور افنان کی انکڑاں
 دونوں کو ایک دوسرے کیلئے زندگی بھرا جیسی بنائے رکھتی
 اور دو اجنبیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گزارا کیونکر ہو
 سکتا تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں گزرتے دنوں میں اس کی

طبیعت خراب رہنے لگی۔ خالہ ڈاکٹر کے ہاں لے گئیں تو وہ لوگ اس خبر کے ساتھ لوٹ جو غیر متوقع تو نہیں تھی پھر بھی اسے شاک لگا تھا، خالہ اور بانی سب گھر والے خوش تھے لیکن خود اس کیلئے یہ خبر اپنی ذلت کی مسلسل یاد دہانی کا ذریعہ بن گئی تھی۔ دنیا کے نزدیک چاہے اس کی اور افنان کی بیاہتا زندگی کا آغاز کسی بھی تاریخ سے ہوا ہو لیکن اس سے زیادہ کے خبر ہو سکتی تھی کہ اس کے وجود میں سانس لینے والا وجود اس بھیا تک واقعے کی نشانی ہے۔ وہ جواب تک کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالے ہوئی تھی ڈپریشن کا شکار رہنے لگی، گھر کے کاموں سے ہاتھ کھینچ، سب سے منہ موڑے وہ اپنے کمرے کی ہور ہی۔ سعد یہ بھابھی نے شروع شروع میں اس کی یہ روش برداشت کی لیکن پھر دبی زبان میں سانس سے شکوہ کرنے لگیں۔

”سمیہ تو بالکل انوکھی ہی بنی ہوئی ہے۔ کوئی دنیا کی پہلی عورت تو نہیں جو اس مرحلے سے گزر رہی ہے۔ چلو گھر کے کام کاج میں ہاتھ نہ ڈالنا بھی سمجھ آتا ہے لیکن بندہ کم از کم سیدھے منہ بات تو کرے۔ وہ تو کسی کی بات کا جواب دینے کی بھی روادار نہیں“

”کچھ عورتوں کے ساتھ ایسا بھی ہو جاتا ہے، طبیعت اکتائی ہوئی اور چڑچڑی ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا تو شوہر بھی اس سے دور دوسرے شہر میں ہے، وہ تنہائی محسوس کر کے اور بھی گھبراتی ہوگی۔ تم بڑی ہو، سمجھداری سے کام لو اور فی الحال اس کے رویے کو صبر سے برداشت کر لو“ وہ بھانجی کی محبت میں بڑی بہو کو سمجھاتی رہی تھیں مگر خود بھی انہیں سمیہ کے رویے پر تشویش تھی۔ وہ خود اذیتی کا شکار معلوم ہوتی تھی۔ ہر شے میسر ہونے کے باوجود کھانے پینے میں اسے ذرا رغبت نہیں تھی۔ اس حال میں اس کی خود سے یہ لا پرواہی تشویشناک تھی۔

”جیسا بولا کھایا پیا کرو بیٹا، اس طرح خود سے لا پرواہی برتو گی تو تمہاری اور بچے دونوں کی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ یہ جانے بغیر کہ ان کی یہ نصیحت سمیہ کے زخم مزید ہرے کر دیتی ہے وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتیں۔“

”ایسا کرو کہ تم اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر دو۔ تمہارا ذہن بے گم تو دل بھی خود بخود بھل جائے گا۔“ وہ کسی حد تک اس کے ڈپریشن کی وجہ سمجھتی تھیں اس لیے اسے اس ڈپریشن سے نکالنے کیلئے ترکیبیں لڑاتی رہتی تھیں مگر وہ تو جیسے کسی کی کوئی نصیحت قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں تھی۔ اس کی اپنی روش تھی جس پر وہ پوری طرح قائم تھی۔

☆☆☆

”سمیہ افنان کا فون ہے آکر سن لو“ ایک شام سب گھر والے بیٹھے چائے پی رہے تھے، ابو بھی اس سے ملنے آئے ہوئے تھے اس لیے وہ بھی مجبوراً سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی پر سعد یہ بھابھی نے فون اٹھایا اور پھر وہیں سے آواز لگا کر اسے اطلاع دی۔ وہ افنان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یوں سب کے سامنے انکار کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ ناچار اٹھ کر فون سننے جانا پڑا۔

”کیسی ہو؟“ اس کی ہیلو کے جواب میں افنان نے اس سے نرمی سے پوچھا تھا۔ اسے اماں نے خاص طور پر فون کر کے سمیہ کی حالت کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اسے فون کرنے اور دلاسہ دینے کی تاکید کی تھی اسی لیے لہجے میں یہ نرمی تھی۔

آپ کو اس سے مطلب؟ سمیہ کا انداز لٹھ مار رہی تھا وہ نظر انداز کر کے فون بڑا اور پھر کچھ شوخی سے بولا ”مطلب تو ہم ہی کو ہے، آخر تمہاری خیریت سے میری نسل کی خیریت جڑی ہے“

یوں کہیں نا کہ اپنی مردانگی کا جیتا جاگتا ثبوت پانے کو بے قرار ہیں“ اس نے جی سے جواب دیا۔

”شٹ اپ، بند کرو اپنی بکواس“ افنان کی خوش مزاجی فوراً ہی اڑن چھو ہو گئی۔

یہ بکواس نہیں سننی تھی تو فون ہی کیوں کیا؟ میں نے تو آپ سے درخواست نہیں کی تھی کہ مجھے فون کریں“

سمیہ کو جیسے اسے یوں تپا کر کچھ سکون ملا تھا۔

”بیوقوف تھا میں جو اماں کی نصیحتوں سے متاثر ہو کر یہ

دانت کر بیٹھا۔ حقیقت میں تم کسی اچھے سلوک کی مقدار
 کی نہیں ہو۔ افغان نے غصے سے کہہ کر تلملواتے ہوئے
 فون بند کر دیا۔ وہ خود بھی جلی بھنی باہر آئی۔ ابو اس
 فون واپس چاہئے تھے، وہ باقی سب کو نظر انداز کرتی
 سولی کھٹ کھٹ کرتی اپنے کمرے میں جا چکی۔

☆☆☆☆

”ڈبل روٹی کا ایک سلاٹس کھانے سے کیا ہوتا ہے،
 انڈا کھا کر یہ جوس کا ایک گلاس ہی پی لو، دودھ کو تو تم
 اس بھی منہ ہی نہیں لگا تم، ایسے میں جسم کو طاقت
 کہاں سے ملے گی؟ اماں پوری کوشش میں تھیں کہ وہ
 کسی نہ کسی طرح ڈھنگ سے کچھ کھانی لے۔ کل اسے
 ایک اپ کیلئے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں تو ڈاکٹر نے
 اس کی زرد رنگت اور گرتے ہوئے وزن پر تشویش
 کا اظہار کرتے ہوئے خود انہیں بھی اچھی خاصی باتیں
 سناوائی تھیں کہ وہ اپنی بہو کا خیال نہیں رکھتیں۔ اب وہ
 ڈاکٹر سے کیا کہتیں کہ بہو سے بڑھ کر وہ بھانجی کے
 رشتے سے انہیں عزیز ہے لیکن جب اگلے کو خود اپنا خیال
 نہ ہو تو پھر کوئی کتنا ہی چاہنے والا ہو اس کیلئے کیا کر سکتا

افغان بھی یہاں نہیں ہے اس کے جھکے کی ذمہ داری بھی
 تھے۔ وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔
 کی اس قدر خیال داری کے پیچھے بیٹے کی کوتاہی کی عافی
 کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ انہوں نے کتنا کہا تھا کہ کچھ دن
 کی پچھٹی لے کر یہاں آ جائے لیکن اس نے پچھٹی نہ
 ملنے کا بہانہ کر کے ان کی بات ٹال دی تھی۔ یہاں سمیعہ
 نے جو حالت اپنی بنا رکھی تھی وہ اسے دیکھ کر ہول ہول
 جاتی تھیں۔ ادھر رافعہ نے بھی ابھی تک بنی کے ساتھ
 سرد مہری کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ بیچاری ہر ایک کے
 رویے کی تلافی خود کرنے کے چکر میں ہلکان ہو رہی
 تھیں اور اس سارے سلسلے میں ایک نیا پوجوان پران
 پڑا تھا۔ سعد یہ جیسی اچھی خاصی معقول بہو بھی دیورانی
 جھٹپانی کے روائتی جلاپے کا شکار ہو کر ان سے شام کی ہو
 گئی تھی۔

کافون ہے آ کر کن لو
 لے پی رہے تھے وہ بھی
 تھے اس لیے وہ بھی مجھ
 فون کی کھنٹی پر سمیعہ
 با سے آواز لگا کر اسے
 نہیں کرنا چاہتی تھی۔
 کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔
 لو کے جواب میں افغان
 اسے اماں نے فال
 ت کے بارے میں آگے
 اور دلاسہ دینے کی تاک
 ی۔
 سمیعہ کا انداز لگھ ماری تو
 کچھ شوخی سے بولا
 خیریت سے میری
 کا جیتا جاگتا ثبوت
 سے جواب دیا۔
 واس افغان کی فون
 ہی کیوں کیا؟
 کی بھی کہ مجھے فون
 کچھ سکون ملا تھا۔
 جھٹپوں سے متاثر

افغان بھی یہاں نہیں ہے اس کے جھکے کی ذمہ داری بھی
 اماں کو اٹھانی پڑ رہی ہے۔ عرفان بیوی کو سمجھا رہے
 تھے۔ وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔
 سچ تھا کہ بے شک انہیں سمیعہ سے حد عزیز بھی لیکن ان
 کی اس قدر خیال داری کے پیچھے بیٹے کی کوتاہی کی عافی
 کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔ انہوں نے کتنا کہا تھا کہ کچھ دن
 کی پچھٹی لے کر یہاں آ جائے لیکن اس نے پچھٹی نہ
 ملنے کا بہانہ کر کے ان کی بات ٹال دی تھی۔ یہاں سمیعہ
 نے جو حالت اپنی بنا رکھی تھی وہ اسے دیکھ کر ہول ہول
 جاتی تھیں۔ ادھر رافعہ نے بھی ابھی تک بنی کے ساتھ
 سرد مہری کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ بیچاری ہر ایک کے
 رویے کی تلافی خود کرنے کے چکر میں ہلکان ہو رہی
 تھیں اور اس سارے سلسلے میں ایک نیا پوجوان پران
 پڑا تھا۔ سعد یہ جیسی اچھی خاصی معقول بہو بھی دیورانی
 جھٹپانی کے روائتی جلاپے کا شکار ہو کر ان سے شام کی ہو
 گئی تھی۔

☆☆☆☆

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ
 اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس عازل کیا ہے کہ
 تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانپے اور
 تمہارے لیے زینت و حفاظت کا ذریعہ بھی ہو اس
 آیت مبارکہ کی روشنی میں دیکھیں تو لباس کے تین
 مقاصد نظر آتے ہیں، اول ستر پوشی، دوم زینت اور سوم
 موسمی اثرات سے حفاظت، آخر الذکر دو باتوں کا تو ہم
 لباس بناتے ہوئے خوب خیال رکھتے ہیں، لباس کا
 انتخاب کرتے ہوئے سارا دھیان اس بات پر رہتا ہے
 کہ ایسا لباس ہو کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں۔
 ہر ایک ہماری خوش ذوقی کی تعریفیں کرے۔ موسم کی
 مناسبت سے لباس زیب تن کرنے کا اہتمام بھی کیا جاتا
 ہے، سردی ہے تو خوب صورت شالیں، سویٹر، مفلر وغیرہ
 بہار دکھانے لگتے ہیں۔ گرمی میں ایک سے ایک لان کا
 جوڑا پہنا جاتا ہے لیکن وہ جو لباس کے لیے سب سے
 اول شرط ہے وہ پیچھے رہ جاتی ہے۔ افسوس کا مقام تو یہ

”مجھ سے نہیں کھایا جا رہا خالہ، میرا دل متلا رہا ہے اس
 نے ایسا ہوا انڈا پرے کیا۔
 ”فحیک ہے، انڈا نہ کھاؤ مگر یہ جوس تو تمہیں ضرور پینا
 پڑے گا“ وہ جوس کا گلاس اس کے پاس چھوڑ کر حکمیہ
 انداز میں کہتی ہوئی باقی برتن لے کر اس کے کمرے
 سے باہر نکل گئیں۔

”اماں کو دیکھا ہے آپ نے، کیسے دن رات سمیعہ کے
 ناز اٹھانے میں لگی رہتی ہیں؟ ایسے ناز انہوں نے بھی
 میرے تو نہ اٹھائے۔ سمیعہ کے بھانجی ہونے کا یہ
 مطلب تو نہیں کہ اماں اسے بالکل سر پر ہی چڑھالیں“
 عرفان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ان
 کے کانوں سعدیہ کا شکوہ پڑا۔

”ایسا بھی نہ کہو، اماں تمہارا بھی اچھا خاصا خیال
 رکھتی ہیں۔ سمیعہ کا زیادہ خیال اس لیے رکھ رہی ہیں کہ

ہے کہ ہم ستر پوشی کے اصول سے ہی واقف نہیں۔ میں
قلبی اداکاراؤں اور ماڈلز کے لباس کی بات نہیں کر
رہی، میری مخاطب عام خواتین ہیں جنہیں اپنی شرافت
پر زعم ہے۔ ذرا ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں اپنا
حائزہ لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے وہ عورتیں بھی جنہی ہیں جو
کپڑے پہن کر بھی گدی بنتی ہیں، دوسرے کو اجماعی
ہیں۔ اور خود دوسرے پر رہتی ہیں، ان کے سرناز سے
حتی اونٹوں کے گواہوں کی طرح میڑھے ہیں، یہ
عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو
پائیں گی، درآئیکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے آتی
ہے

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک بار
حضرت اسماءؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے نبی ﷺ کی
خدمت میں حاضر ہوئیں، وہ سامنے آئیں تو آپ نے
فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اسماء! جب عورت جوان ہو
جائے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ منہ اور ہاتھ کے علاوہ اس
جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔

اب ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لیجئے کہ
ہم کہاں ہیں، شریف زادوں میں باریک اور تنگ
لباس عام ہو گیا ہے، ایسے لباس کو پہنتے ہوئے عورتوں کو
یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ایسے لباس میں وہ کپڑے پہننے
کے باوجود نکلی رہتی ہیں۔ دوپٹہ گزروں کے حساب سے
لباس بنایا جاتا ہے لیکن حکم ربی کے مطابق سر اور سینے کو
ڈھانپنے کے بجائے کندھے یا گلے کی پٹی بن کر جھولتا
رہتا ہے، ہائی کلاس کی تو بات ہی چھوڑ دیں کہ وہاں
سیلوئیس قمیص اور مغربی لباس پہنانا باعث فخر ہے۔ خود
ہمارے طبقے کی بچیاں بڑے شوق سے باف اور کوارٹر
سیلوز بڑے شوق سے پہنتی ہیں اور کوئی انہیں ٹوکنے والا
بھی نہیں ہوتا کہ بی بی ایسی آستینیں تمہارے ستر کو پوری
طرح نہیں ڈھانپتی ہیں۔ عورت کے ستر میں تو ہاتھ کلائی
تک مکمل طور پر ڈھکے ہونا لازم ہے لیکن ہمارے ہاں یہ
برائی اس طرح رائج ہو گئی ہے جیسے مغرب میں ٹانگوں کا
ننگا رکھنا۔ مغرب کی عورت ٹانگیں کھول کر پھرتی ہے تو

ہمیں بے شرم دکھائی دیتی ہے اور خود ہم اپنے بازوؤں
کی نمائش کرتے پھرتے ہیں تو شرم کا کوئی سبق ہمیں یاد
نہیں آتا۔ حالانکہ فرق کیا ہے ہاتھ اور پیر کی عریانی میں؟
میں؟ فقط بات اتنی ہے کہ برائی ایسے رائج ہو جائے کہ
پھر برائی محسوس نہ ہو، درس دینے والی خاتون کی آواز
میں دبا دبا سارنج اور غصہ تھا۔ سمجھ جو خیال کے بعد
اصرار بران کے ساتھ یہاں چلی آئی تھی ابتداء میں
دیکھی نہ محسوس کرنے کے باوجود ان کی طرف متوجہ ہو
گئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

”ابو داؤد میں حضرت ابو سعید خدری رضی سے مروی
ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا، غلامہ، کرتا یا چادر
پہنتے تو اس کا نام لے کر فرماتے ”خدا تیرا شکر ہے تو نے
مجھے یہ لباس پہنایا، میں تجھ سے اس کے خیر کا خواہاں
ہوں اور اس کے مقصد کے اچھے پہلو کا جس کیلئے یہ بنایا
گیا ہے اور میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں،
اس لباس کی برائی سے اور اس کے مقصد کے اس بڑے
پہلو سے جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے، اس دعا کا مطلب
ہے کہ آدمی لباس کو ان ہی مقاصد کیلئے استعمال کرے
جو اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہیں نہ کہ اپنی بڑائی جتانے اور
غرور و تکبر کے اظہار کیلئے، اب ہم اپنا عمل دیکھیں تو کیا
دکھتا ہے کہ لباس زیادہ سے زیادہ خود نمائی اور اپنی بڑائی
جتانے کیلئے پہنا جاتا ہے، ایسا کرتے ہوئے عورتیں یہ
بھول جاتی ہیں کہ انہیں تو زمین پر زور سے پیر مار کر ملنے
کی بھی اجازت نہیں کہ مبادا ان کی پوشیدہ زینتیں جیسے
زیور کی جھنکار وغیرہ ہی ظاہر ہو جائیں اور کسی غیر مرد کو
متوجہ کرنے کا سبب بنیں، عورت کو تو اتنی احتیاط برتنے
کا حکم ہے کہ گھر سے باہر خوشبو لگا کر جانے کی بھی
ممانعت کی گئی ہے مگر آج کی عورت کا خواہ وہ کسی بھی
طبقے سے تعلق رکھتی ہو بس نہیں چلتا کہ کسی طرح خود کو
دوسروں کی نظروں میں لے آئے۔ دوسروں کو
دکھانے والی عورتوں پر جنت کی خوشبو تک حرام قرار
دے دی گئی ہے لیکن پھر بھی جانے کیسا نفسا نفسی کا عالم
ہے کہ ہم اپنی عاقبت سے بھی غافل ہو گئے ہیں“ درس

دینے والی خاتون کا انداز دیکھی ساتھ، ان کی باتیں سمیچ کے اندر اکھاڑ، پچھاڑ بچا رہی تھیں، اسے بے ساختہ ہی ہادی کی شادی کے موقع پر افغان کا خود کو نوکنا یا دیا تھا۔ ان ہی سب باتوں کی طرف تو شاید وہ اس کی توجہ مبذول کروانا چاہ رہا تھا لیکن بس اس کا انداز شاید وہ سخت اور تحقیر آمیز تھا جس کی وجہ سے وہ اس کی بات کی مقصدیت کو سمجھے بغیر شدید غم و غصے کا شکار ہو گئی تھی۔ پھر درس دینے والی خاتون نے رجھانے والی عورتوں کے بارے میں بھی تو بتایا تھا کہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکیں گی۔ کیا وہ خود بھی افغان کو رجھانے کی کوششیں نہیں کرتی رہی تھی؟

لیکن میرے اور ان کے درمیان تو ایک شرعی رشتہ موجود تھا۔ اس کے پاس اپنے دفاع میں ایک مضبوط دلیل موجود تھی اس کے باوجود وہ کچھ بے کلمی سی محسوس کر رہی تھی، اسی بے کلمی نے اسے ان خاتون کے قریب جا کر انہیں مخاطب کرنے پر مجبور کیا۔ وہ جو درس کے خاتمے کے بعد ارد گرد موجود خواتین سے خوش اخلاقی سے حال احوال پوچھ رہی تھیں فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”آئی! میں آپ سے کچھ معاملات پر علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے کبھی الگ سے کچھ وقت دے سکتی ہیں؟“ سمیچہ نے بہت دھیمی آواز میں ان سے اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

کیوں نہیں بیٹا! ایسا کرو تم کسی روز میرے گھر آ جاؤ۔ یہاں سے قریب ہی ہے میرا گھر۔

انہوں نے شفقت کے ساتھ اس جواب دیا اور پھر اپنے گھر کا پتہ اور فون نمبر اسے نوٹ کروا دیا کہ آنے سے پہلے اطلاع دے دینا، سمیچہ نے دونوں چیزیں سنبھال کر اپنے پرے میں رکھ لیں۔ وہ جس کشمکش اور دہنی الجھن کا شکار تھی اس سے نکالنے کیلئے اسے ایسے ہی کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ سمیچہ سے زیادہ صبر نہیں ہوا تھا اور وہ دو دن بعد ہی ان خاتون سے ملنے جانے کیلئے تیار ہوئی تھی۔ فون پر انہیں اپنی آمد کی اطلاع دینے کے

بعد وہ عرفان بھائی کے ساتھ ان کے گھر جا پہنچی تھی۔ عرفان بھائی سے دروازے سے ہی چھوڑ کر واپس پلٹ گئے تھے کہ جب واپس آنا ہو تو فون پر اطلاع دے دینا۔ درس والی خاتون جن کا نام فرحت تھا بہت خوش خلقی سے سمیچہ سے ملی تھیں۔ سادہ سا صاف ستھرا گھر، جہاں ضرورت کی تمام اشیاء موجود ہے جا نمود و نمائش سے گریز کیا گیا تھا۔ بہت پر سکون محسوس ہو رہا تھا۔

”بہو میری میسکے گئی ہوئی ہے، بیٹیاں دلوں شادی شدہ اپنے گھروں والی ہیں، شو ہر ٹکن برس پہلے انتقال کر گئے اس لیے اس وقت میں تمہیں گھر میں تنہا دکھائی دے رہی ہوں۔ ویسے اللہ کا شکر ہے کہ قرآن پڑھنے آتے والے بچوں اور میل ملاپ کی عورتوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بھی تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ تم نے خاص طور پر تنہائی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی اس لیے میں نے تمہیں اس وقت آنے کو کہا۔ یہ وقت میں نے اپنے ذاتی کاموں اور آرام وغیرہ کیلئے مختص کر رکھا ہے۔ سب جاننے والوں کو اس بات کی خبر ہے اس لیے اس وقت کوئی میرے پاس نہیں آتا“ وہ سمیچہ کو اپنے ہارے میں تفصیل سے بتانے لگیں۔ ”پھر تو میں نے تجھ کو اپنے کی گستاخی کی ہے“ سمیچہ کچھ شرمندہ سی ہوئی۔

”ارے نہیں بھئی۔ میں نے تو خود تمہیں خاص طور پر اس وقت بلایا ہے۔ تفصیل بتانے کا مقصد یہ تھا کہ تم آرام سے بلا جھجک اپنی بات کھل کر کہہ سکو“ انہوں نے فوراً ہی سمیچہ کے خیال کی تردید کی اور پھر اسے دو منٹ انتظار کرنے کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ واپس آئیں تو مشروبات اور پھلوں سے تھی ٹرے ان کے ہاتھ میں تھی۔

”ارے آئی، آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟ سمیچہ نے انہیں ٹوکا۔

”زحمت کیسی؟ مہمان کی تواضع کرنا تو سنت نبوی ہے“ انہوں نے ٹرے میز پر رکھی اور اصرار سے سمیچہ کو کھلانے لگیں۔

”بس آئی، میں اتنا نہیں کھاتی“ سمیچہ نے ان کی

بڑھائی ہوئی پلیٹ میں سے کچھ اٹھانے کے بجائے انکار کیا۔

وہ تو تمہاری حالت سے ہی ظاہر ہے، لیکن بیٹا یہ تو کفرانِ نعمت ہے، پھر تم جس حالت سے گزر رہی ہو تمہیں اپنا زیادہ خیال رکھنا چاہیے، ماں کی ذمہ داری تو بچے کی پیدائش سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ خود کو نعمتوں سے محروم کر کے تم اپنے بطن میں نشوونما پانے والے وجود کی بھی حق تلفی کرتی ہو، سمیعہ کی جسمانی حالت ساخت میں بہت واضح تبدیلیاں آچکی تھیں جس کے باعث ان خاتون نے اس کی حالت بھانپ لی تھی اور اب اس حوالے سے سمیعہ کو سمجھا رہی تھیں۔ سمیعہ نے ان کی بات کا الٹا ہی اثر ہو۔ اسے لگا کہ اس کے اعصاب سچ رہے ہوں۔ وہ خاتون کا ہاتھ تھام کر بڑی لجاجت سے بولی۔

”آئی! میں بہت الجھن کا شکار ہوں اس دن آپ کا درس سنتے ہوئے بعض باتوں پر میرا ذہن الجھ گیا تھا اور میں آج ان ہی باتوں کی وضاحت کیلئے آپ کے پاس آئی ہوں۔

”پوچھو بیٹا! میں اپنی بساط بھر تمہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔“ انہوں نے جواب دیا تو سمیعہ کچھ دیر کیلئے خاموش سی ہو گئی جسے گفتگو کیلئے کوئی سراڈھونڈ رہی ہو۔ بالآخر اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”اس روز آپ نے درس میں بتایا تھا کہ دوسروں کو رچھانے والی اور خود رو جھنے والی عورت جہنمی ہے۔ کیا واقعی یہ بات سچ ہے؟

”تمہیں اس بات میں کیوں شک ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو ماننے سے تو کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا“ انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا، مگر آپ یہ بتائیں کہ چاہئے اور چاہے جانے کے جذبہ تو فطری ہے، فطرت سے آدمی کس طرح من موڑ سکتا ہے؟ وہ اپنی جانب سے بہت اہم نکتہ سامنے لائی۔

”تمہاری بات سے انکار نہیں لیکن اس جذبے کی تکمیل

کیسے غیر مردوں کی رچھانے کی گنجائش تو بہر حال نہیں نکلتی۔ وقت آنے پر اللہ اس جذبے کی تکمیل کے جائز اسباب خود ہی عطا کر دیتا ہے۔ انہوں نے محل سے اس کی بات کا جواب دیا۔

”غیر مرد کی بات چھوڑیں لیکن اگر کوئی عورت اپنے منگیتر یا نایک کی توجہ کی طلبگار ہو تو کیا یہ بھی غلط ہے؟ آخر ایسے شخص پر تو اس کا حق ہوتا ہے“ سمیعہ نے کچھ تندی سے پوچھا۔

”دیکھو بیٹا! منگیتر کے رشتے کی تو کوئی شرعی حیثیت ہی نہیں، منگیتر تو کسی لڑکی کیلئے بالکل ویسے ہی نامحرم ہیں جیسے کوئی دوسرا مرد۔ رہی نایک کی بات تو ہاں اس سے شرعی رشتہ ہے لیکن اس رشتے میں ہمیں بہت سی اخلاقی اور معاشرتی حدود کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بعض سے قبل کسی نکاح شدہ جوڑے کی بے نظمی ہمارے فتنے میں کچھ معیوب سی بھی جاتی ہے۔ لوگ ایسے جوڑے کو زیادہ نظر میں رکھتے ہیں کہ کب دونوں سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو کہ وہ ان پر گرفت کر سکیں۔ ایسے میں اس جوڑے کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ ان کی ذرا سی لغزش ماں باپ کے لیے طعنہ زنی کا باعث نہ بن جائے اس بات کا دھیان رکھنا پڑتا ہے، پھر ایسی بھی کیا بے صبری؟ جہاں نکاح ہوا ہے وہاں رخصتی بھی ہو جائے گی۔ رخصتی کے بعد سارے ارمان اور خواہش جی بھر کر پوری کی جا سکتی ہے“ ان کا جواب دو ٹوک تھا سمیعہ کچھ مضطرب سی ہو گئی۔

”لیکن کوئی جوڑا بہک جائے یا پھر کوئی ایک فریق ہی زبردستی پر اتر آئے تو کیا اسے گناہ سمجھا جائے گا اور پھر اس تعلق کے نتیجے میں وجود میں آنے والی نئی زندگی کی کیا حیثیت ہوگی۔ کیا اسے ناجائز سمجھا جائے گا؟“

”خیر ایسی بھی بات نہیں، دونوں طرح کی صورتحال کی چاہے اخلاقی طور پر مذمت کی جائے لیکن رشتہ مناعت کی موجودگی میں جنم لینے والے وجود کو ناجائز ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اب جہاں تک بات ہے باہمی رضا مندی یا زبردستی کی تو دونوں صورتوں میں میں یہ

بھتی ہوں لڑکی کا قصور زیادہ ہوتا ہے۔ میرے اس خیال کا سبب تنگ نظری نہیں بلکہ یہ نقطہ نظر ہے کہ براہ راست لوگوں کی نظر میں عورت آتی ہے اس لیے محتاط بھی اس کو زیادہ رہنا چاہیے۔ عورت کی طرف سے کوئی نہ کوئی بے احتیاطی یا لغزش ہوتی ہے جو وہ ایسی صورت حال میں گھر جاتی ہے۔ ان کے جواب پر سمیعہ کی پیشانی پر پیتے کے قطرے ابھر آئے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں اس کی اپنی لغزش اور بے احتیاطی ہی کی وجہ تھی۔ وہ اگر افغان کو چپچپ نہ کرتی تو وہ سب ہوتا ہی کیوں؟

”اچھا آئی! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اب میں چلتی ہوں۔ سمیعہ اچانک ہی جانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کس کے ساتھ جاؤ گی؟ آتے ہوئے تو کوئی تمہیں چھوڑنے آیا تھا“ انہوں نے اس سے پوچھا تو اسے خیال آیا کہ عرفان بھائی نے اسے فون کرنے کی ہدایت کی تھی۔ فرحت صلیبہ کی اجازت لے کر اس نے ان کے گھر کے فون سے عرفان بھائی کو کال کر کے آنے کو کہا۔

تم سے مل کر اچھا لگا بیٹی، آئندہ بھی کچھ پوچھنے کو دل چاہے تو ضرور آتا۔ اور ہاں پریشان نہ ہوا کرو، بہت سے معاملات میں خود کو پریشان کرنے اور الجھنے کے بجائے مصالحت کر لینا بہتر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کسی معاملے کی اللہ تعالیٰ پردہ پوشی فرمادیں تو ہمیں اس کا شکر ادا کر کے صبر تحمل کے ساتھ حالات کے اچھے رخ کو قبول کر لینا چاہیے۔ سمیعہ کی روانگی سے قبل انہوں نے اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں نصیحت کی تھی، جہانگیرہ خاتون تھیں، پوتا پوتی، نواسہ نواسی والی تھیں۔ دن بھر میں بے شمار لوگوں سے ملنا جلنا ہوتا تھا۔ سمیعہ جیسی نا تجربہ کار لڑکی کا مسئلہ بن کہے ہی سمجھ گئی تھیں اس لیے اس سے یہ بات کہی تھی۔ سمیعہ نے بھی انداز میں سر ہلا کر ان کے گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ باہر عرفان بھائی گاڑی لیے اس کے منتظر تھے۔

☆☆☆

سمیعہ نے فرحت صلیبہ کے کہنے پر مفاہمت، مصالحت کی راہ اختیار کر لی تھی۔ گھر والوں سے رو بہ بہتر ہو گیا تھا۔ کام کاج میں بھی سمیعہ بھابھی کا ہاتھ بٹانے لگی تھی لیکن اب اس کی حالت انکی نہیں تھی کہ بہت زیادہ کام کر پاتی۔ سمیعہ بھابھی خود بھی اسے چھوٹے موٹے کاموں کے سوا کچھ نہیں کرنے دیتی تھیں۔ ان کی کدورت کی پیچھے اصل وجہ سمیعہ کی بے رخی و بے گامگی تھی۔ اس کا مزاج بدلتا تو ان کا دل بھی صاف ہو گیا۔ انہیں یہ بھی یاد آ گیا کہ سمیعہ ان کی ضرورتوں کے وقت کیسے ہر دم ان کی مدد کیلئے تیار کھڑی رہتی تھی۔ سمیعہ کا زیادہ تر وقت بچوں کے ساتھ یا مطالعے میں گزرتا تھا۔ میلے کی طرح وہ غمراہان اور عدنان کے ساتھ اچھل کود تو نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن انہیں کہانیاں سنانے اور پڑھانی میں مدد دینے کا کام بخوبی کرتی۔ سب سے چھوٹی عائشہ بھی اس سے کافی مل گئی تھی۔ لیک لیک کر اس کی گود میں آتی۔ باقی کا وقت مطالعے کیلئے وقف تھا، نصابی کتابیں تو خیر نہیں پڑھتی کہ امتحانی فارم ہی جمع نہیں کرو لیا تھا لیکن قرآن اور حدیث کا مطالعہ خوب ہو رہا تھا۔ مسلمان گھرانے کی شریف لڑکی تھی۔ کم عمری اور غلط مشوروں کے باعث جو نادانیاں کرنی رہی۔ مطالعے سے ان کا خوب احساس ہوا۔ اپنی غلطی کے احساس نے افغان نے جرم کو معاف کر دیئے کی بھی دل میں کچھ گنجائش پیدا کر دی تھی لیکن افغان خود اس سے مکمل طور پر بے نیاز تھا۔ خط تو پہلے بھی کبھی نہیں لکھتا تھا، فون پر بھی اس روئے کے باعث دوبارہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گھر میں لوگ ان دونوں کے درمیان اس کھنڈ کو محسوس کرتے تھے لیکن کوئی دخل اندازی اس لیے نہیں کرتا تھا کہ میاں بیوی خود ہی آپس میں اسے معاملات سلجھا لیں تو بہتر ہے۔ کچھ افغان کی فوج کی نوکری کی وجہ سے بھی معاملہ ڈھکا ہوا تھا۔ میاں بیوی محض ایک ہفتہ ساتھ رہنے کے بعد مہینوں سے ایک دوسرے سے جد تھے اس پر لوگ باتیں تو بناتے تھے لیکن یہ لوگ افغان کو چھٹی نہ ملنے کا

بہانہ کر کے ٹال جاتے۔ سمیعہ کے بارے میں سب کو خبر تھی کہ اس نے خود ہی ایبٹ آباد جانے سے انکار کر دیا تھا اور میں اس کی طبیعت کو وجہ بنا کر اماں نے اسے وہاں نہ بھیجنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ مگر اب وہ دیکھ رہی تھیں کہ موسم بدل رہا ہے۔ سمیعہ کے مزاج میں وہ پہلے سی ٹی اور جھنجھلاہٹ باقی نہیں رہی ہے۔ افنان کو پہلے بھی سمجھاتی رہتی تھیں، سمیعہ کو بدلتے دیکھا تو اور زور دے کر سمجھانے کی کوشش کی۔

”کتنے مہینے ہو گئے بیڑا! تم جو شادی کر کے گئے ہو تو ابھی تک واپس نہیں پلٹے، مجھے لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی ہوتی ہے۔ تمہارے خالو بھی دینی دلی زبان میں غفلت کا اظہار کر چکے ہیں۔ سمیعہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے اس سے تمہاری یہ بے نیازی دیکھ کر ان کا دل کڑھتا ہے۔ وہ تو پھر میں ان کے سامنے یہ ظاہر کرتی ہوں کہ تم نیلی فون اور خط کے ذریعے سمیعہ سے رابطہ میں رہتے ہو تو وہ کچھ چپ رہتے ہیں، اگر انہیں علم ہو گیا کہ تم نے سمیعہ کو اس طرح کاٹھ کباڑ کی طرح گھر میں ڈال کر چھوڑا ہوا ہے تو انہیں کتنا رنج ہوگا۔ اپنوں میں بیٹی کا رشتہ انہوں نے صرف اسی وجہ سے تو کیا تھا کہ بیٹی خوش رہے۔“

”اوہو اماں! ایسا کیا ظلم ہو رہا ہے اس کے ساتھ ہمارے گھر میں، آپ، بھابھی، بھائی، سب اتنا خیال رکھنے والے ہیں۔ اب مجھے چھٹی نہیں مل رہی تو میں کیا کروں، ساتھ آنے سے آپ کی بھانجی نے خود ہی انکار کر دیا تھا۔ اب اگر خالو کو شکوہ ہے تو اپنی بیٹی سے کریں، میں تو قطعی بے قصور ہوں“ افنان کے پاس سمیعہ کے ساتھ آنے سے انکار کرنا اپنی ذات کو بری الذمہ ٹھہرانے کا اچھا بہانہ تھا جو وہ اس وقت بھی استعمال کر رہا تھا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم کتنے بے قصور ہو لیکن اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی، صرف تم سے یہ کہہ رہی ہوں کہ عید سے پہلے ہر حال میں چھٹی لے کر آ جانا، سمیعہ کے لیے بھی ڈاکٹر نے ان ہی دنوں کی تاریخ دی

ہے۔ اس موقع پر تمہارا یہاں ہونا ضروری ہے“ اماں کا انداز حکیمہ ہو گیا تو افنان کیلئے بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

”ٹھیک ہے میں کل ہی درخواست دے دوں گا۔ امید ہے کہ عید سے دو تین پہلے تو چھٹی مل ہی جائے گی“ افنان نے اماں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆☆

دھلی ہوئی صاف ستھری ہوا، دور دور تک نظر آتا سرسبز و شاداب منظر، فضا میں رہتی ہوئی مہک جوڑے شہروں کی دھوئیں بھری زندگی میں ندرت تھی، کیا کیا مانند جنت نعمتیں نہیں تھیں یہاں، مگر سمیعہ نے اپنی نفرت و حسد کی وجہ سے اس کے ساتھ یہاں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ خود وہ اس کے رویے سے بے حد بدول ہوا تھا لیکن یہاں کی رومان پرور فضاؤں میں وہ خود بخود ہی یاد آنے لگتی تھی۔ اور اب تو اس کے تصور کے ساتھ ایک ننھے وجود کا تصور بھی بندھ گیا تھا۔ اماں نے بتایا تھا کہ عید کے قریب ہی اس کی آمد متوقع ہے۔ اس کے تصور سے افنان کے وجود میں سرسراہٹ سی پھیل گئی تھی۔ پہلی پہلی اولاد کا تجربہ ماں باپ دونوں کیلئے بہت انوکھا ہوتا ہے۔ کتنے خواب، کتنی خواہشیں ہوتی ہیں جو وہ آنے والے وجود سے پاندھ لیتے ہیں لیکن وہ اور سمیعہ ایسے حالات میں اس تجربے سے گزر رہے تھے کہ ان کے پاس ایک دوسرے سے شیر کرنے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ ایک طرف غصہ تھا تو دوسری طرف اپنے آپ کو بے قصور ٹھہرا دینے کی تمام کوششوں کے باوجود اندر ہی اندر بننا احساس ندامت۔

اماں کے حکم پر اس نے چھٹیوں کی درخواست دے دی تھی جو اس کے اتنے ماہ سے چھٹی نہ لینے کے باعث دیگر ساتھیوں کے مقابلے میں ترجیحی بنیاد پر قبول کر لی گئی تھی ورنہ عید پر تو تقریباً ہر ایک ہی گھر جانے کا خواہشمند ہوتا ہے، افنان کے ساتھ خصوصی رعایت اس لیے بھی کی گئی تھی کہ اس کے آفیسر جانتے تھے کہ وہ اپنی شادی کے محض ایک ہفتے بعد یہاں آ گیا تھا اور اب جبکہ

دارگھرانوں میں لڑکیوں کو ان کے حصے سے محروم رکھنے کا رواج اب بھی موجود تھا اور اس لڑکی کے ساتھ تو معاملہ سواہی معلوم ہوتا تھا کہ مقابلہ سوتیلے بھائی تھے۔
 ”میں اسلام آباد جا رہا ہوں، آپ کہاں جانا چاہیں گی؟“ لڑکی سے ہمدردی محسوس کرتے ہوئے افغان نے نرمی سے اس سے پوچھا۔

”مجھے بھی وہیں جانا ہے، وہاں میری ایک یونیورسٹی فیلو سے میرے اچھے تعلقات ہیں، وہ مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دیں گی۔“ لڑکی نے بتایا تو افغان نے مطمئن سے انداز میں سر ہلا کر پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔ مشکل سے ابھی دس منٹ کا فاصلہ ہی طے ہوا تھا کہ ایک بھیروان سے اسکی جیب کے برابر سے گزر کر آگے نکلی اور آگے جا کر ترچھی ہو کر اس انداز میں رک گئی کہ افغان کا راستہ رک گیا۔ مجبوراً اسے اپنی جیب روکنی پڑی۔ بھیرو پر پانچ چھ سٹرا افراد سوار تھے۔ افغان کے جیب روکتے ہی انہوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ افغان کے ساتھ بیٹھی لڑکی کے منہ سے ان لوگوں کو دیکھ کر چیخیں نکلتی لگیں۔ افغان خود بے بس سا بیٹھا تھا کہ ان سٹرا افراد کے گھیرے میں محض اپنے سر وں دیوار کی بنیاد پر کیا کرے۔ بے شک وہ ایک فوجی افسر تھا لیکن کوئی فوجی ہیرو تو نہیں تھا کہ اتنے سارے سٹرا افراد سے نہتے ہاتھوں بھینٹ جائے۔

”جیب چاپ ملکر ہمارے ساتھ ہماری گاڑی میں بیٹھ جاؤ،“ انہیں گھیرنے والے سٹرا افراد میں سے ایک نے حکم دیا تو افغان اور اس لڑکی کو ناچار اس حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ ان کے بیٹھتے ہی پچارو چل پڑی، محض آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ لوگ ایک بڑے حویلی نما مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ افغان اور لڑکی کو نیچے اتار گیا۔ چیختی چلاتی لڑکی کو وہ لوگ ایک سمت لے گئے جبکہ افغان کو ایک سپاٹ دیواروں والے خالی کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں ایک مصیبت اس کی منتظر تھی۔ اٹھارہ انیس سال کا ایک لڑکا اپنے ہاتھ میں موجود خاردار کوڑا لے کر اس پر پل پڑا تھا۔

اس کے ہاں ایک ننھے مہمان کی آمد ہونے والی تھی تو ان بچیوں پر اس کا حق بنتا تھا۔ اس کے کمانڈر کی مسز نے تو اپنے ہاتھوں سے بنا ہوا ٹوپی، سویٹر، اور موزوں پر مکمل گرم سوٹ بھی نیچے کیلئے ساتھ لے جانے کو دیا تھا۔ اس ننھے سے سوٹ کو دیکھ کر اس کے دل کے کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ پھر اس نے خود بھی کئی ننھی منی پیاری پیاری چیزیں خرید ڈالی تھیں۔ یہ چیزیں اس کے سامان کے ساتھ ایک چھوٹے سے بیگ میں الگ سے بندھی رکھی تھیں۔ رمضان کا خیر و برکت والا یہ پورا مہینہ اس نے اپنے اس آنے والے مہمان کیلئے دعائیں کرتے ہوئے گزارا تھا۔ اور اب کل وہ یہاں سے روانہ ہونے والا تھا۔

☆☆☆

ایبٹ آباد سے اسلام آباد تک بائی روڈ اور پھر وہاں سے بائی ایئر اسے کراچی جانا تھا۔ اماں کو اس نے اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اور اب تیزی سے ڈرائیو کرتا اسلام آباد کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ محکمے کی یہ جیب اسلام آباد ایئر پورٹ پر وہاں کے یونٹ کا کوئی بندہ اس سے وصول کر لیتا۔ مگر اسے انداز میں ڈرائیو کرتے ہوئے اسے اندازہ نہ ہوا کہ وہ لڑکی کہاں سے نکل کر ایک دم اس کی جیب کے سامنے آگئی اور اسے جیب روکنے کا اشارہ کرنے لگی۔ اسے بہت عجلت میں بریک لگا کر جیب روکنی پڑی تھی۔

”پلیز میری مدد کریں! اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو وہ لوگ مجھے جان سے مار دیں گے۔“

لڑکی گھبرائی ہوئی اور خوفزدہ لگ رہی تھی۔ افغان نے بے ساختہ ہی اسے جیب میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

”وہ میرے سوتیلے بھائی ہیں، جائیداد میں مجھے حصہ نہ دینا پڑے اس لیے بہانے سے مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں“ جیب چلتے افغان کے پوچھے بنا وہ اسے بتانے لگی تھی۔

معاملہ افغان کی سمجھ میں آنے لگا، روایتی قبائلی اور جاگیر

بے میں کل ہی درخواست
 سے دو تین پہلے تو پھر
 ل کے سامنے تھیں
 صاف سٹری ہو
 نظر، فضا میں رہتی ہوئی
 بھری زندگی میں
 میں یہاں، مگر
 اس کے ساتھ یہاں
 کے روئے سے
 ومان پرورد فضا
 اور اب تو اس کے
 ر بھی بندھ گیا تھا
 اس کی آمد متوقع
 میں سرسراہٹ کی
 باب دونوں کیلئے
 خواہش ہوئی ہیں
 ہیں لیکن وہ اور
 گزر رہے تھے کہ
 نے کیلئے کچھ
 اپنے آپ کو
 باوجود انداز
 خواہش
 نے کے ہاں
 پر قبول کرنا
 مر جانے کا
 حایت ال
 کہ وہ اپنی
 ب جب

”ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا تو نے، ہماری لڑکی کو لے کر بھاگنے کی کوشش کی“ وہ غصے سے دھاڑا، شراب شراب افغان پر کوڑے برسار ہاتھ افغان اپنے بچاؤ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ رات پہرے دار پوری طرح الارٹ تھے اور اس کی ذرا سی بھی غلطی پر مستعمل ہو کر فائر کر سکتے تھے۔ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی افغان کی کوشش بھی اس لڑکے کے اشتعال کے سامنے ناکام ہو گئی تھی۔ جانے کتنے کوڑے برسائے تھے اس لڑکے نے اس پر کہ اس کا فوجی تربیت یافتہ سخت جان وجود بھی نڈھال ہو کر گر پڑا تھا۔ ”بڑا رہنے دو اس سورما کو، کل خان بھائی آئیں گے تو اس کا فیصلہ ہوگا“ کم ہوتے حواسوں کے ساتھ افغان کے کانوں میں اس لڑکے کی آواز پڑی تھی جو شاید اس کے نیم بے ہوش وجود کو دیکھ کر مزید کوڑے برسائے کا ارادہ ترک کر کے وہاں سے روانہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ بہت اذیت ناک اور بھیا تک شب تھی۔ بدن میں گویا انگارے سے بھرے تھے جو افغان کو چین نہیں لینے دے رہے تھے۔

”میں کہاں ہوں؟ کن لوگوں کے درمیان ہوں؟ جس الزام کے تحت انہوں نے مجھے قید کیا ہے۔ کیا میرے صفائی دینے پر یہ مجھے اس سے بری الذمہ قرار دے دیں گے؟“ سوالات کا ایک سلسلہ تھا جو افغان کے تھکے ہوئے ذہن میں خود بخود ہی جاری تھا۔

”میں یہاں کیونکر پہنچ گیا؟ میں تو اپنے گھر جا رہا تھا، اپنے گھر والوں کے ساتھ عید کرنے اور اس بھی خوشی کا استقبال کرنے۔ پھر درمیان میں اذیتناک قید کہاں سے آگئی؟“ اس نے سوچتے ہوئے پہلو بدلنے کی کوشش کی تو ہونٹوں سے ایک زوردار سسکاری نکلی اور یہ اذیت؟ یہ کوڑوں کی مار؟ یہ کسی چیز کی سزا ہے؟“ وہ ایک فوجی تھا لیکن لاشعوری میں کوئی ایسی بات تھی جو وہ اس قید سے نجات کی عملی کوششوں کی بجائے خود ہی سوال در سوال کا سلسلہ شروع کیے بیٹھا تھا۔

اچانک ہی اسے زندگی کے وہ بھیا تک لمحات یاد آئے

جب وہ غصے اور جنون میں انسان سے وحشی بن گیا تھا۔ ”کیا قصور تھا اس کا، صرف یہی ناکہ وہ بیوقوف تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ جو کچھ وہ کرتی ہے اس کے پیچھے فقط اس کی بیوقوفی اور نادانی ہے۔ مگر میں جوڑ کپن سے ہی نماز و قرآن کی طرف راغب ہو گیا تھا، مجھے اس کی نادانی میں کی گئی حرکتوں میں کردار کی کمزوری نظر آنے لگی، میں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنے لگا گویا وہ مسلمان ہی نہ ہو، اپنی پارسائی کے زعم میں اس کی حقیر کرتے مجھے کبھی خیال نہیں آیا کہ میں اس کی دل آزاری کا گناہ کر رہا ہوں، اور پھر پارسائی کیسی؟ سچی ہی تو کہہ رہی تھی وہ کہ میں جس جنونی کیفیت میں تھا ایسے میں مجھے یہ کب یاد تھا کہ سامنے موجود لڑکی منکوحہ ہے یا کوئی نامحرم لڑکی۔

تو کیا جو اذیت میرے حصے میں آئی وہ سمیعہ کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کی سزا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے کہ یہی تو سزا مقرر کی ہے اللہ نے اس جرم کی، بس یہ ہے کہ اس دنیا کی عدالت چاہے وہ کوئی شرعی عدالت ہی کیوں نہ ہوئی مجھے اس جرم میں کوئی سزا نہیں سنا سکتی تھی۔ اللہ نے یہ کام خود اپنے دست قدرت سے انجام دے ڈالا۔ وہ اس مقام پر تھا جہاں بندے کو خود بخود ہی ادراک ہونے لگتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس کے پیچھے کیا رمز چھپا ہے، یہ اور بات کہ دوسرے اس کے اس خیال سے متفق نہ ہوں۔

☆☆☆

دن دھیرے دھیرے گزرتا شام تک آپہنچا تھا، اماں نے سب گھر والوں کو افغان کی آج آمد کے بارے میں خبر دے دی تھی۔ بچے اپنے چاچو کی آمد کی اطلاع سن کر بہت خوش تھے۔ سعد یہ بھابھی نے بھی افطار پر بہت اہتمام کیا تھا۔ وہ خود اپنی طبیعت خرابی کے باوجود ان کی مدد کروانی رہی تھی۔ اماں کے کہنے پر اس نے اپنا ایک اچھا سا جوڑا بھی پہن لیا تھا لیکن آنے والا آکر ہی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ فضا میں مغرب کی اذانیں بھی بلند ہونے لگیں۔ سب لوگوں نے کچھ بے دلی سے

اظہار کیا اور مغرب کی نماز پڑھتے کھڑے ہو گئے۔

”ہو سکتا ہے وہ رات تک پہنچے، آج آنے کو کہا تھا لیکن وقت تو نہیں بتایا تھا“ اماں نے پریشانی کے باوجود ان کو تسلی دی تھی، امید کا ایک اور دیا جلانے وہ لوگ نئے سرے سے افغان کا انتظار کرنے لگے تھے۔ مگر یہ انتظار بھی لا حاصل رہا تھا عرفان بھائی عشاء کی نماز اور تراویح سے فارغ ہو کر گھر لوٹ آئے لیکن افغان کا کوئی پدم نشان نہیں تھا۔

”ابھی تک نہیں آیا افغان“ اگر اس نے آج ہی آنے کا کہا تھا تو اب تک تو پہنچ جانا چاہیے تھا“ عرفان گھڑی کو دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے تھے۔

”وہ آنا ہی نہیں چاہتے، انہوں نے حالہ کو بہانے کیلئے ایسے ہی کہہ دیا ہوگا کہ آج آرہے ہیں۔ بعد میں بہانہ بنا دیں گے کہ فلاں مجبوری کی وجہ سے نہیں پہنچ سکا“ عرفان بھائی کی بات سن کر سمیعہ نے مایوسی سے سوچا تھا۔

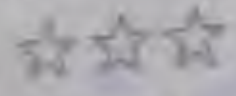
”عرفان بیٹا، ایسا کرو کہ ایبٹ آباد فون کر کے معلوم کرو وہاں سے ہی معلوم ہوگا کہ افغان کب روانہ ہوا ہے یا روانہ ہوا بھی ہے یا نہیں؟ اماں نے عرفان بھائی کو مشورہ دیا تو وہ فون سنبھال کر بیٹھ گئے۔ بڑی مشکل سے رابطہ قائم ہوا، پھر جانے وہاں کس سے اور کیا گفتگو ہوئی کہ عرفان کے چہرے پر گھمبیر تا چھا گئی۔

”کیا ہوا عرفان خیر تو ہے؟ کیا پتہ چلا وہاں سے؟ کب تک پہنچے گا افغان؟“

اماں عرفان کے چہرے کے تاثرات سے گھبرا کر سوال پہ سوال پوچھ رہی تھیں۔ باقی گھر والے بھی ان کے گرد پریشان سے جمع تھے۔ عرفان گوگلوں سی کیفیت میں تھے کہ اصل صورتحال بتائیں یا بہانہ بنا کر ٹال دیں، بالآخر انہوں نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔

”اماں افغان دوپہر کو ہی ایبٹ آباد سے نکل گیا تھا، اسے اسلام آباد ایئر پورٹ سے کراچی کیلئے فلائٹ لینی تھی۔ لیکن وہ اسلام آباد پہنچا ہی نہیں، اس کی جیب راستے میں ملی ہے مگر خود اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں، اس کے محلے کے لوگ اسے تلاش کرنے کی

کوشش کر رہے ہیں، آپ لوگ دعا کریں کہ ہمارا افغان خیریت سے گھر پہنچ جائے“ عرفان کی دی ہوئی اطلاع پر سب کے دل دھک سے رہ گئے تھے۔ شمالی علاقہ جات کی خراب صورتحال کے بارے میں اخبارات و ٹی۔وی کے ذریعے خبریں ملتی رہتی تھیں۔ سوت کا معاملہ تو پچھلے دنوں بہت ہی گرم رہا تھا۔ اور اب افغان کی وجہ سے قدرتی طور پر ان سب کا دھیان ایسی ہی کسی صورتحال کی طرف گیا تھا۔ اماں تو حواس ہی کھوئے لگیں۔ سمیعہ بھی کم سم کی تھی۔ عرفان دوڑ کر خال، خال کو بلا لائے، افغان کا غائب ہونا دونوں گھروں کا مشترکہ مسئلہ تھا۔ وہ سب حیران، پریشان ایک دوسرے کو تسلی دلا سہ دیتے۔ اللہ سے دعاؤں کا سلسلہ بھی زور و شور سے جاری تھا، عرفان اور خالوا لگ بھگ فون پر ادھر ادھر کے نمبر ملاتے اور کبھی مضطرب سے کھلتے کھلتے، وہ رات ان سب کیلئے قیامت کی رات تھی۔



آنے والی صبح افغان کے لیے حیرت انگیز تھی۔ اسے باقاعدہ ایک ڈاکٹر کے ذریعے ٹریسٹ دلوا کر ایک صاف ستھرے آرام گھر میں آرام وہ بستر پر منتقل کر دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر نے زخموں پر مرهم لگا کر دوائیں کھلانے کے علاوہ اسے انجکشن بھی لگایا تھا۔ غذا، دوا اور آرام دو ہفتوں کے تکلیف میں مبتلا جسم کیلئے جادوئی لوری کا کام کیا تھا، وہ جو سویا تو پھر کئی گھنٹوں بعد ہی آنکھ کھلی، آنکھ کھلنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ایک چھبیس، ستائیس سالہ شخص اس کے کمرے میں چلا آیا۔

”میرا نام عثمان خان ہے، مجھے افسوس ہے کہ آپ کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، میں کل یہاں نہیں تھا ورنہ یہ صورتحال ہرگز پیش نہ آتی“ اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس نے افغان کے سامنے افسوس کا اظہار کیا تھا، افغان تو منتظر ہی تھا کہ کوئی ایسا شخص سامنے آئے جو اس کی بات سن سکے چنانچہ موقع پاتے ہی پھٹ پڑا۔

”میرے ساتھ جو سلوک ہوا وہ میری سمجھ سے باہر ہے،

کل راستے میں اچانک ایک لڑکی نے میرا راستہ روکا کہ اس کے سوتیلے بھائی اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اس لیے میں اسے کسی محفوظ پناہ گاہ تک پہنچا دوں، راستے میں آپ کے آدمیوں نے مجھے دھر لیا اور پھر مجھے کسی وضاحت کا موقع دے بغیر اس بری طرح زد و کوب کیا گیا جیسے میں آپ کے گھرانے کی لڑکی کو لے کر فرار ہو رہا تھا۔ میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں عثمان صاحب۔ ایک فوج سے تعلق رکھنے والے بندے کو اس طرح اغوا کر کے تشدد کا نشانہ بنانا آپ سب کو بہت مہنگا پڑے گا۔

”جو کچھ ہوا وہ حماقت اور جذباتیت کی وجہ سے ہوا جس کیلئے میں آپ سے دلی طور پر معذرت خواہ ہوں، اگر آپ ٹھنڈے دل سے میری بات سنیں تو یقیناً میری معذرت کو قبول کر لینگے۔“ عثمان خان بہت نرم انداز میں بات کر رہا تھا، افغان ہمہ تن گوش ہو گیا کہ عثمان خان کی بات سن سکے۔

”آپ کو ملنے والی لڑکی میری سوتیلی بہن گل رخ ہے، کل جس لڑکے نے آپ کو اپنے ہنٹر سے نشانہ بنایا وہ گل رخ کا چھوٹا بھائی ہے، میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، گل رخ کی والدہ نے اپنے دونوں بچوں کے ذہن میں ہمیشہ میرے خلاف یہی بات بٹھائی کہ میں ان کا سوتیللا بیٹا ہوں جو موقع پاتے ہی جائیداد پر قابض ہو جاؤں گا۔ اتفاق سے بابا کے انتقال کے بعد جائیداد کا سارا انتظام میرے ہاتھ آ گیا تو ان کا یہ خدشہ کچھ اور بڑھ گیا، ہمارے ہاں لڑکیوں کے معاملے میں ذرا سختی برتی جاتی ہے۔ تعلیم، شادی کا رواج ہے لیکن گل رخ کی خواہش پر میں نے اس سے کہا کہ وہ اس لڑکے کو یہاں بلوائے اگر مجھے لڑکا مناسب معلوم ہوا تو میں رواج کے خلاف اس کی شادی اس لڑکے سے کر دوں گا۔ اب اسے گل رخ کی بد نصیبی کہیں یا یہ کہ وہ لڑکا عمر ہی اتنی لکھوا کر لایا تھا کہ یہاں آتے ہوئے اس کی گاڑی کا زبردست ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ موقع پر ہی اپنی جان سے چلا گیا۔ اس حادثے کا گل رخ کے ذہن پر بہت

برا اثر ہوا۔ دوسرے اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں نے ملنے کے بہانے یہاں بلوا کر اس لڑکے کو راستے میں ہی مروا دیا۔ اب اس کی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ لاکھ علاج کے باوجود وہ اس حادثے کے صدمے سے باہر نہیں نکل پائی۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ میں جائیداد کی خاطر اسے بھی مروا دوں گا۔ ہر آنے جانے والے کے سامنے یہی بات دہرائی ہے اور موقع نکلتے ہی گھر سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ وہ علاقے سے اتنی دور چلی گئی۔ اسے ڈھونڈنے کیلئے جانے والے اور میرا چھوٹا بھائی برہان خان اسے آپ کی گاڑی میں دیکھ کر مستعمل ہو گئے۔ ہمارے ہاں اپنے گھر کی عورت کا کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھا جانا بہت بڑا واقعہ تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ برہان خان نے بنا سوچے سمجھے آپ کو تشدد کا نشانہ بنا ڈالا وہ تو پھر بھی شکر ہے کہ میرا لحاظ تھا کہ حتمی فیصلہ کرتے ہوئے اس نے اپنی جان ہی نہ لے لی۔“ عثمان خان کی سنائی کہانی اس کے لیے کچھ انوکھی تھی اس لیے جرح پر اتر آیا۔

”آپ کا تو کہنا ہے کہ گل رخ اور برہان دونوں سوتیلے ہونے کی وجہ سے آپ پر اعتبار نہیں کرتے پھر برہان کا آپ کا لحاظ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟“

”آپ شک کرنے میں حق بجانب ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ یہ مقام حاصل کرنے کیلئے میں نے بڑی قربانی دی ہے۔ گل رخ کی ذہنی کیفیت اور خود سے نفرت کو دیکھتے ہوئے میں نے اس جائیداد سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تھا۔ اب قانوناً برہان ساری جائیداد کا مالک ہے۔ میں نے اپنا علیحدہ بزنس شروع کر رکھا ہے۔ اسی کی دیکھ بھال کیلئے اکثر شہر آنا جانا لگا رہتا ہے۔ یہاں کے معاملات میں بس اس وقت تک دیکھ رہا ہوں جب تک برہان خود یہ سنبھالنے کے لائق نہیں ہو جاتا۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میری سوتیلی والدہ اور برہان کے پاس مجھ سے عناد کی کوئی وجہ ہی نہیں رہی تو اب خوشگوار تعلقات میں کیا شے مانع ہو سکتی ہے۔ گل رخ بیچاری

یہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ یہ سب سمجھ سکے۔ عثمان
نے افغان کے کاٹ وار سوال کا بہت نرمی سے
جواب دیا تھا۔ افغان کے پاس اب بحث کی کوئی گنجائش
نہیں رہی تھی۔ اسی وقت ملازمین برتن اٹھائے کمرے
میں آئے۔

نظار کا وقت ہونے والا ہے، ہماری زیادتی کی وجہ
سے آپ آج روزہ تو نہیں رکھ پائے لیکن ہمارے ساتھ
نظار ضرور کریں، کہتے ہیں کہ اس کا بھی ثواب ہو
گا۔ عثمان خان نے کہا تو افغان اخلاقاً مسکرا دیا
پورے کل روزے میں اس کے ساتھ جو سلوک ہوا اور آج
جس طرح اس کا روزہ قضا ہوا اس کے دل کو بہت ملال

برہان خان کو بھی یہیں بھیج دو، عثمان خان نے ایک
ملازم کو حکم دیا تھا اور پھر سے افغان کی طرف متوجہ ہو گیا
تھا۔

ابھی کم عمر ہے پھر کچھ ہماری والدہ ہی کی تربیت بھی
دینی ہے کہ برہان روایتی سخت مزاجی اور جذباتیت کو
جھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ میں نے بہت ڈانٹا اور سمجھایا
ہے ابھی آئے گا تو آپ سے معافی مانگے گا۔ معاف
کر دیجئے گا عثمان خان نے بھائی کے عمل کی وضاحت
دیتے ہوئے اس کی سفارش بھی کی چنانچہ جب کچھ
شرمندہ سا برہان کمرے میں آیا تو افغان سے معذرت
طلب کی تو افغان نے اسے معاف کر دیا۔

☆☆☆

دونہایت پریشان کن دن گزارنے کے بعد ان
لوگوں کو افغان کی خیریت کی اطلاع ملی تھی۔ سب نے
ہی دل سے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا تھا۔ سمیعہ تو
شکرانے کے نفل ادا کرتے ہوئے بلک بلک کر روئی
تھی۔ یہ دو دن جس اذیت، کرب اور اضطراب میں
گزارے گئے تھے اس نے نا صرف اس کی زندگی میں
افغان کی اہمیت کو پوری طرح واضح کر دیا تھا بلکہ دل میں
جو روزہ برابر اس کیلئے نہیں کوئی کدورت و نفرت رہ گئی تھی
وہ بھی مٹ گئی تھی۔ ان دو دنوں میں افغان کی ہر زیادتی

کو بھلائے اس کا روالہ اس کی سلاحتی کی دعا مانگتا
رہا تھا اب جب یہ خبر ملی تھی تو لگتا تھا کہ اس کے بدن
میں روت واپس لوٹاؤ کی گئی ہو۔ وہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت
وہ کراچی آنے کے بجائے ایسے پونٹ چلا جائے گا۔
جہاں اسے سارے واقعے کی تفصیل اور وضاحت پیش
کر دی تھی۔ اس کی عید پر آج اب حال ہی تھی کہ اب
وقت ہی بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ سمیعہ اس کے نہ ہونے
سے اداس ہو رہی تھی۔ اب جبکہ دل سے ہر گنجائش مٹ
گئی تھی تو افغان کی دوری بہت مشکل رہی تھی۔

”مبارک ہو تم نے ہماری عید کی خوشی ہی دے دیا۔“
وہی ”اسنے قریب گھڑا، اتنی محبت سے پوچھا یہ تمہیں افغان
ہی تھا، سمیعہ کو یقین نہیں آ رہا تھا، اس کی طبیعت بگڑنے
پر جب اسے گھر والے بھانپ بھاگ ہسپتال لے کر پہنچے
تھے تو اس وقت تو افغان کا کوئی نام و نشان ہی نہیں تھا۔
ہاں درد کے ان لمحوں میں اس کے دل نے بہت شدت
سے یہ خواہش ضرور کی تھی کہ جب ان کا تھا مہمان اس
دنیا میں آئے تو افغان اس کے استقبال کیلئے یہاں ہو
اور اب وہ آ گیا تھا تو اس کی آنکھوں کو یقین ہی نہیں ہو
رہا تھا۔

”یقین کر لیجئے محترمہ کہ یہ میں ہی ہوں، آپ کو ملی
خواب نہیں دکھ رہی ہیں“ افغان نے اس کی حالت بھانپ
لی تھی اس لیے کچھ شوخی سے بولا، سمیعہ کی آنکھوں سے
بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

”اس خوشی کے موقع پر ان آنسوؤں کا کیا کام رہا؟“
افغان نے اپنی انگلی کی پوروں سے اس کے رخسار پر
ہتے ہوئے آنسو پنے۔

”اللہ کا کتنا احسان ہے ہم پر کہ اس نے عید کے چاند
کے ساتھ ہمارے گھر میں چاندنی پھیلانے کو ایک گھنٹی
پری بھیج دی ہے۔ تم یوں رو کر ناشکری تو نہ کرو، وہ بہت
نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔
”چاند دکھ گیا کیا؟ سمیعہ اس کی بات پر چوکی۔

”شادی کے بعد آنے والی اس پہلی عید پر تم نے مجھے بہت انمول تحفہ دیا ہے یہ بتاؤ کہ تمہیں مجھ سے کیا تحفہ چاہیے؟“

”جو مانگوں گی ملے گا؟“ سمیعہ نے شوخی سے پوچھا۔

”بالکل! مجھے مجال انکار ہے ہی نہیں۔“

”افغان سعید کی محبتیں، مرتے دم کیلئے“ سمیعہ نے اپنا مطالبہ پیش کیا۔

”وہ تو ہیں ہی تمہارے لیے“ افغان نے محبت سے جواب دیا۔

”عید کا چاند اس کی سچائی کا گواہ تھا، افغان کی پانہوں میں کسمپانی اس کی بیٹی اس چاند کی چاندنی کا مجسم روپ دھارے ان دونوں کے دلوں میں رہتی پھیلا رہی تھی۔“



ست رنگی

یہ محفل آپ کے خیالات، احساسات اور نگارشات کے دلکش رنگوں سے سجائی جاتی ہے۔ آپ اپنا پسندیدہ کوئی بھی شعر، جملہ، لطیفہ قصہ یا اقتباس درج ذیل پتوں پر ارسال کر کے اس میں شریک ہو سکتی ہیں۔

نوٹ: شعر، غزل یا نظم بھیجتے ہوئے کتاب، مصنف، اور شاعر کا حوالہ ضرور دیں۔ اپنا نام پتا اور فون نمبر صاف اور واضح لکھیں۔

ایڈریس: ماہنامہ شمع ڈائجسٹ، LG-56، لاہور سنٹر، عین بلیوارڈ، نزد لبرٹی مارکیٹ، گلبرگ III لاہور پر ارسال کریں۔

Call: 042-5782875

E-mail

shamma.digest@yahoo.com

”مجھے سامنے پا کر بھی یہ سوال؟“ افغان نے مصنوعی غلطی کا اظہار کیا تو وہ ہنس دی۔

”واقعی آپ نے بھی تو عید کے چاند ہی کی طرح بہت مشکل سے اپنی جھلک دکھائی ہے“

اور عید کے چاند کی ہی طرح خوشیوں کی نوید بھی لے آیا ہوں۔ اب ہم پچھلی ہر بات کو بھلا کر نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرینگے۔“ افغان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے عزم ظاہر کیا۔

”بالکل! میں تو خود آپ کی منتظر تھی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے دیر سے ہی سہی یہ بات جان لی تھی کہ آپ مجھے کسی روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں“ سمیعہ نے اعتراف کرنے میں دیر نہ لگائی۔

”قصور وار صرف تم ہی نہیں تھیں، غلطی میری بھی تھی کہ میں اپنے نیک ہونے کے زعم میں مبتلا ہمیشہ تمہیں جھڑکتا ہی رہا۔ میں نے کبھی تمہیں کوئی بات اسلام کی اصل روح کی طرح نہیں سمجھائی۔ کچھ غلطی ہمارے بزرگوں کی بھی ہے کہ وہ اولاد کی تربیت کرتے وقت دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوتاہی کر جاتے ہیں۔ اگر دل و ذہن میں قرآن کی تعلیمات ابتداء ہی سے راسخ کر دی جائیں تو پھر ایسی نوبت نہ آئے جس کی وجہ سے مجھے اور تمہیں دونوں کو وہی اذیت سے گزرنا پڑا۔ تمہاری اشتعال انگیز باتیں اگر تمہاری کم علمی اور نادانی کا نتیجہ تھیں تو میرا وہ غصے میں اٹھایا گیا قدم دین کو اصل روح کے ساتھ نہ جاننے کے باعث تھا۔ اگر میں ظاہر کے بجائے باطنی طور پر بھی دین دار ہوتا تو شیطان شخصہ بن کر یوں مجھ پر بھی سوار نہ ہوتا۔“ افغان تاسف سے کہہ رہا تھا، باہر کھڑی رافدہ نے بیٹی اور بھانجے کی یہ تمام باتیں سنی تھیں، جہاں ان کا بیٹی سے یہ شکوہ دور ہوا تھا کہ وہ بہک گئی تھی وہیں اپنی کوتاہی کا بھی احسان ہوا تھا۔ واقعی کی تو ان کی تربیت میں رہ گئی تھی، دل میں اس بات کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ ان کی کوتاہی کے مقابلے میں نقصان نہ ہونے کے برابر ہی تھا، وہ چپکے سے واپس پلٹ گئیں۔ اندر افغان سمیعہ سے کہہ رہا تھا۔